اندھی گلی میں صبح

فیروز عابد

اندھی گلی میں صبح

فیروز عابد

جملہ حقوق بحق اعجاز فیروز اور عطیہ فیروز محفوظ

اس کتاب کی اشاعت میں مغربی بنگال اردو اکاڈمی کا مالی
تعاون شامل ہے

سال اشاعت : یکم مئی ۱۹۸۱ء
تعداد : ایک ہزار
ناشر : فیروز عابد
طباعت : کوہ نور آرٹ پریس پرائیوٹ لمیٹڈ کلکتہ - ۱۶
سرورق : انت گھوش
کتابت : نذیر احمد، جگتدل
قیمت : پندرہ روپے
تقسیم کار : عثمانیہ بک ڈپو
۱۲۵ رابندر سرانی، کلکتہ ۷۰۰۰۷۳

طباعت سرورق، پرل وہائٹ پریس

پیش کش :

بزم آرا فیروز

پہلا صفحہ

بڑے بھیّا

ابوالہاشم

کے نام

گہرجانبِ ابرنیساں فرستم

میری کہانی

کہانی کیا ہوتی ہے ۔ ؟

میں نہیں جانتا ــ !

ہاں جب جب میرے اندر ٹوٹنے کا عمل شروع ہوتا ہے

میں کہانی لکھتا ہوں ــ !

"اندھی گلی میں صبح" میری سترہ کہانیوں کا مجموعہ ہے

اس میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے یہ بتانا میرا نہیں ان

قاریوں کا کام ہے جو انہیں پڑھنے کی زحمت

گوارا کریں ــ !

فیروز عابد

یکم مئی ۱۹۸۱ء

ترتیب

"اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ ادب لافانی ہے۔
آج اس کے لئے ایک امکان ہے۔
صرف ایک امکان ....
وہ امکان ہے سوشلزم کا، جمہوریت کا
اور امن کا ....
ہمیں اس امکان کو استعمال کرنا ہے۔
اگر ہم ادیب لوگ ہار جاتے ہیں تو ہمارے
لئے یہ تو بُرا ہے ہی۔ معاشرے کے لئے بھی
بہت بُرا ہے۔"

ژاں پال سارتر

مری تحریر اگر میرے قلم کا مُنھ چڑھاتی ہو
مری تحریر کو بھی حرفِ باطل لکھ دیا جائے

(اعزاز افضل)

دہلیز کا ماحول

آیئے میں آپ کو ایک دہلیز کی کہانی سناؤں،
وہ چھوٹا سا کمرہ ہے ؛
اس کمرہ میں بہت ساری چیزیں ہیں لیکن مجھے ان بہت ساری چیزوں سے کوئی لگاؤ نہیں، مجھے تو لگاؤ ہے ان چیزوں سے جو دیوار پر ٹنگی ہوئی ہیں یا آتش دان نما شلف میں رکھی ہوئی ہیں۔
ٹنگی ہوئی چیزوں میں بہت سارے کلنڈر ہیں۔
نیم عریاں اور جذباتی سے !
بہت ساری فریم شدہ تصویریں ہیں جن میں عریانیت بھی ہے، مشرقی عورت کا تقدس بھی ہے اور ماضی کے ہندوستان اور اس کی پارینہ عظمت کا خاکہ بھی۔
نیچے آتش دان نما سیمنٹ سے بنے دو طاق والے شلف میں کئی کتابیں، کئی کاپیاں اور تاش کے ان گنت پتے بکھرے ہوئے ہیں۔
ان کئی کتابوں میں دو خالص تنقیدی کتابیں ہیں، ایک ناول ہے اور ایک شعری مجموعہ ہے۔
کاپیاں کئی سادہ ہیں، کئی پر برج اور رمی کے اسکور لکھے ہوئے ہیں اور ایک کاپی میں عمدہ عمدہ

اشعار ہیں اور افسانوں سے اخذ شدہ تمثیلات ہیں۔

ان سب چیزوں کو چھوڑ کر کمرے میں اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں لیکن مجھے ان چیزوں سے کوئی لگاؤ نہیں۔

میں اس چھوٹے سے کمرے کے بارے میں اکثر سوچتا ہوں اور ہمیشہ وہی کچھ میری نظروں کے سامنے آجاتا ہے جس کے خلاف میں ان گنت لوگوں کو پاتا ہوں۔

کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے دیوار سے چپٹے ہوئے کلنڈر اور ٹنگی ہوئیں فریم شدہ تصویروں میں سے ان تصویروں پر کالکھ مل دی گئی ہے جن میں مشرقی عورت کا تقدس سورج کی طرح روشن تھا اور ہندوستان کی پارینہ عظمت کا خاکہ تاروں کی طرح جھل مل کر کے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ اب صرف دیوار پر نیم عریاں کلنڈر تھے اور نیم عریاں فریم شدہ تصویریں۔ نیچے آتش دان نما طاق کی تمام کتابیں راکھ کا ڈھیر تھیں اور تاش کے پتے اس پر اس طرح لگ رہے تھے، جیسے کالی چادر پر کئی رنگ کے پیوند ہوں۔

میں کچھ دیر تک کبھی دیوار کو اور کبھی آتش دان نما شلف کو دیکھتا ہوں اور پھر خود بھی عریاں ہو کر اس کمرے میں رقص کرنے لگتا ہوں اور پھر مجھے ہر وہ شخص پاگل نظر آنے لگتا ہے جو ادب، تہذیب اور اخلاقی کمزوری کی بات کرتا ہو۔

شائیں، شائیں، شائیں —!

وہ چھوٹا سا کمرہ اس آواز سے گونج اٹھتا ہے اور میرے جسم پر پھر کپڑے چپک جاتے ہیں اور اس وقت میں پھر دیوار پر نظر ڈالتا ہوں اور اب مجھے ایک عظیم تبدیلی نظر آتی ہے۔ نیم عریاں کلنڈر اور نیم عریاں فریم شدہ تصویروں پر سیاہی ملی ہوئی ہے اور عورت کا تقدس سورج کی طرح روشن ہے اور ہندوستان کی پارینہ عظمت کا خاکہ تاروں کی طرح جھل مل کر رہا ہے۔

نیچے آتش دان نما طاق پر تنقیدی کتابیں سجی ہوئی ہیں، عمدہ عمدہ اشعار اور افسانوں سے اخذ شدہ تمثیلات کی کاپی ان کے اوپر رکھی ہوئی ہے اور تاش کے تمام پتے اور برج وری کے اسکور سے اٹی کاپیاں راکھ ہو کر پڑی ہوئی ہیں۔

میں کچھ دیر تک دیوار کو اور کبھی آتش دان نما شلف کو دیکھتا ہوں اور پھر مجھ پر ایک وجد سا طاری ہو جاتا ہے، میرے گرد کتابوں کا ایک ڈھیر سا لگ جاتا ہے اور آنکھوں پر موٹے فریم کا عینک چڑھ جاتا ہے اور میں دنیا کی تمام دلچسپیوں سے الگ ہو کر تہذیب، ادب اور اخلاق کا پجاری بن جاتا ہوں اور مجھے ہر وہ شخص کمینہ اور چھوٹا نظر آنے لگتا ہے جو ذرا بھی کتابوں سے ہٹ کر بات کرتا ہو۔

شائیں، شائیں، شائیں ——!

پھر وہی چھوٹا سا کمرہ ہے جس کی دیوار پر نیم عریاں تصویروں کے ساتھ عورت کا تقدس بھی ہے اور ماضی کے ہندوستان کی عظمت کا خاکہ بھی۔

جس کے آتش دان نما شلف میں تنقیدی کتابوں کے ساتھ تاش کے پتے بھی ہیں لیکن

جہاں یک گونہ سکون ہے،

جہاں کوئی گھبراہٹ نہیں ہے،

جہاں کوئی شرمندگی نہیں ہے،

جہاں بیٹھ کر ہر شخص اپنی اپنی پسند کی چیزوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

کوئی تنقیدی کتابیں پڑھ کر اپنے شعور کو ایک ناقد کے شعور کے ہم پلہ کر دیتا ہے،

کوئی تاش کے پتوں میں اپنے من کی شانتی تلاش کرتا ہے،

لیکن جہاں،

کوئی کسی پر اپنی قابلیت نہیں جماتا اور جہاں دوست ناصح بن کر اپنی برتری کا پرچار نہیں کرتا۔

●● ——————

جذبوں کا رنگ

دور حد نگاہ تک گلی تاریک اور سنسان تھی۔
کوئی آہٹ نہ تھی۔
جیسے جیسے رات بھیگ رہی تھی تاریکی کے ساتھ تنہائی کا احساس بھی شدید تر ہوا جا رہا تھا۔ رکمنی نے کھڑکی کے دونوں پٹ زور سے بند کر دیئے۔ آواز پھیلتی چلی گئی لیکن تنہائی کا احساس اور تاریکی کا احساس پھر بہت جلد سمٹ کر اس کے سارے وجود میں گھل مل گیا۔
اس نے کمرہ پار کیا اور کوری ڈور سے ہوتی ہوئی پچھواڑے کے کمرہ میں آ گئی اور پھر اس کمرہ کی کھڑکی کے دونوں پٹ اس نے وا کر دیئے۔
اس نے کھڑکی سے دور سنسان سڑک پر کسی کو تلاش کیا؛ کھڑکیوں اور آہنی گیٹوں کو تاکا، ہر طرف خاموشی خوف کی طرح ان چیزوں سے لپٹی نظر آئی۔
کھٹ
کھٹ
کھٹ

آنے والی آواز شاید کسی کے جوتے کی تھی، خاموشی کروٹ لے رہی تھی، اس نے اپنا سر کھڑکی سے کچھ پیچھے کر لیا۔

آنے والے نے بائیں جانب کی تاریک بلڈنگ کی ایک کھڑکی کو تاکا اور پھر مسلسل سیٹیاں بجاتا چلا گیا۔

تنہائی اور تاریکی کا احساس رکمنی کے دل میں اور بھی گہرا ہو گیا۔

لڑکا اب خاموش کھڑکی کو تک رہا تھا۔

اور پھر بلب کی روشنی دور بہت دور مدھم اور مدھم ہو کر پھیل گئی۔ اس کھڑکی سے ایک لڑکی نے سر نکال کر آس پاس ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔

کھڑکی پھر بند ہو گئی اور روشنی سمٹ سمٹا کر کھڑکی سے پھر اسی کمرہ میں چلی گئی۔

اب وہ لڑکی سڑک پر اس لڑکے کے پاس کھڑی تھی۔

لڑکے نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس بلڈنگ سے دور ہوتا چلا گیا، تاریکی اور تنہائی کا احساس اور بھی گہرا بہت گہرا ہو گیا اور اس بار وہ رو پڑی ـــ اس کے گھر کا ہر فرد سویا ہوا تھا لیکن وہ روز کی طرح آج بھی جاگ رہی تھی، اس کے جاگتے رہنے میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ قصور تو ان جذبوں کا تھا جو بغیر کسی دستک کے اس کے من میں آ جاتے تھے اور پھر وہ لاکھ جتن کے باوجود نیند کو اپنی آنکھوں سے کوسوں دور پاتی تھی۔

اس نے کھڑکی سے دور سڑک کے ایک گوشے میں ابھی ابھی ایک لڑکی کو ایک لڑکے کے سینے پر سر رکھے کچھ کہتے دیکھا تھا اور پھر انہیں باہوں میں ہاتھ ڈالے دور کہیں جاتے دیکھا تھا۔

وہ لڑکا ایک ہفتہ سے روز اسی وقت آتا تھا اور روز وہ دونوں دبے دبے قدموں اندھیروں میں کہیں جاتے تھے اور پھر گھنٹہ دو گھنٹہ بعد لڑکی واپس آ کر اپنی بلڈنگ کے دروازہ میں گم ہو جاتی تھی۔ شاید وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے، ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔

رکمنی فلسفہ کی طالبہ تھی اور اس نے زندگی میں مایوس ہونا کم سیکھا تھا کیونکہ فلسفہ اسے زندگی کے ہر رمز کو سمجھنے میں آسانی بخشتا تھا، وہ جب کبھی کہیں پر گھبرا جاتی یا زندگی کی کوئی بھی گتھی

ایک مشکل موڑ میں آکر الجھ جاتی تو وہ فلسفہ کی مدد سے اسے بہت جلد سلجھانے میں کامیاب ہو جاتی کیونکہ فلسفہ پڑھنے والا فلسفہ کے مطالعہ سے گتھیوں کو سلجھانا جانتا ہے، ان میں الجھنا نہیں۔

"محبت بڑی ذمہ داری ہے' یہ ایک بے داغ اجلا جذبہ ہے" رکمنی نے سوچا

آج تک کسی لڑکے نے اس سے محبت نہیں کی گو ان گنت لڑکوں نے اسے پیار بھری نظروں سے ضرور گھورا لیکن ان نظروں کا اجلا پن کہیں گم تھا اس لئے وہ ان جذبوں کا ساتھ نہ دے سکی تھی۔

"آخر اسے ایک ذمہ دار پیار کرنے والا کیوں نہیں ملتا' ایسا نوجوان کیوں نہیں ملتا جس کی آنکھوں میں بے داغ اجلا جذبہ ہو —" اس نے آئینہ میں اپنی صورت کو تکتے ہوئے سوچا

کالج میں وہ ہمیشہ اپنی ہم جماعت لڑکیوں سے گھنٹوں ان کی محبت کی داستانیں سنتی لیکن وہ کبھی بھی ان سے اس موضوع پر بات نہیں کرتی کہ محبت کو وہ کس درجہ میں شمار کرتی ہے اور محبت کی تشریح کیا ہے۔

اگر اس نے اپنے دل کا راز کبھی کسی کو بتایا تھا تو وہ ففتھ ایر کی طالبہ مدھو تھی جو واقعی شہد کی طرح میٹھی اور نازک تھی اور جس کا وچار اس کے وچار سے زیادہ تر ملتا تھا۔

رکمنی بدصورت تو نہ تھی لیکن کالی ضرور تھی اور اس لئے کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچ لیتی کہ شاید اسکا کالا پن محبت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

وہ مدھو کی گوری کلائی کو اکثر اپنی کلائی سے ملا کر یہ کہتی "مدھو تو کتنی سندر اور سفید ہے۔"

مدھو کو بھی رکمنی سے بہت انسیت تھی کیونکہ رکمنی کی باتوں سے جہاں ایک کھوج کا پتہ چلتا تھا وہاں اس کی پاک طبیعت کا بھی اندازہ ہوتا تھا۔

مدھو گھنٹوں رکمنی سے باتیں کرتی اور جب دونوں اپنی باتیں ختم کر کے ایک دوسرے کو سڑک کے ایک ایسے موڑ پر چھوڑتیں کہ اس موڑ کے رہنے والے اس موڑ سے گذرنے والے ان کے ہونٹوں کے کونوں میں دبی مسکراہٹوں کو ضرور محسوس کرتے۔

رکمنی مدھو سے روز آف پیریڈ میں ملتی اور روز ہی وہ دونوں کسی نہ کسی موضوع پر ایک دوست کی طرح تبادلہ خیالات کرتیں لیکن مدھو روز ہی ایک بات محسوس کرتی کہ رکمنی بحث یا تبادلہ خیالات

کے اختتام پر ٹھیک گھوم گھما کر اپنی رنگت کی طرف لوٹ آتی تھی اور اس کا آخری جملہ مدھو کو بہت تڑپاتا تھا۔

لیکن رکمنی کی معصوم ہنسی مدھو کو ایک لحظہ مبہوت ضرور کر دیتی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی "رکمنی کس کا درد ہے۔ ؟ یہ کیسی پاکیزگی ہے — ؟"

مدھو نے اکثر رکمنی کا ذکر اپنے بھائی شیام سے کیا جو جادو پور یونیورسٹی کا ریسرچ اسکالر تھا۔ مدھو نے شیام سے یہاں تک کہہ دیا کہ رکمنی کالی ہے اور شاید اس کی زندگی کی تمام تر مایوسی کا سبب بھی یہی کالا پن ہے۔ شیام نے اپنی بہن سے رکمنی کی عادت و اطوار سے متعلق کئی سوالات کر ڈالے اور پھر اسے بہت ہی وثوق کے ساتھ یہ بتایا کہ رکمنی کا کالا پن اس کی زندگی کا غمناک اور سخت پہلو نہیں بلکہ اسے کسی اور چیز کی تلاش ہے' ایک ایسی چیز کی تلاش ہے جو بہت ہی پاکیزہ اور غیر فانی ہے۔ کالا پن اس کی خوش گوار زندگی میں رکاوٹ کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا میں ان گنت کالی اور بدصورت عورتوں نے خوبصورت عورتوں کے مقابلہ میں نیک اور اچھے پتی پائے ہیں۔ رکمنی کا پتی بھی ضرور ایک خوبصورت اور قابل آدمی ہو گا کیونکہ رکمنی ایک عظیم خیال اور جذبہ کی تلاش میں ہے۔ اور پھر شیام نے اپنی بہن سے یہ وعدہ لیا کہ وہ ایک روز رکمنی کو اپنے گھر لائے گی لیکن اس سے ملائے گی نہیں بلکہ وہ خود ہی اسے دور سے دیکھ لے گا اور پھر مدھو کو یہ بتائے گا کہ رکمنی کیا ہے۔ اور اس کی عظمت کن کن اونچائیوں کو چھو سکتی ہے اور دریا میں چھپے کس گوہر کے مماثل ہے۔

اور پھر شیام نے اسے دروازے کی دراڑ سے دیکھا اور اس کی سنبھلی اور پر وقار آواز میں مختلف مضامین پر نرم اور رواں بحثیں سنیں اور اپنی بہن مدھو کو یہ بتایا کہ رکمنی کو محبت چاہیے' ایک ایسی محبت جس میں پاکیزگی اور عرفانیت ہو' تاکہ وہ اس میں اپنے سارے وجود کو غسل دے سکے۔ اس کا کالا پن اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس کے کالے پن نے اس کی زندگی پر ایک عظیم احسان کیا ہے اور اسے ایک نئی راہ کی کھوج پر مدد کی ہے۔ رکمنی ایک تو کیا ان گنت شخص پا سکتی ہے جو اس سے محبت جتا سکیں لیکن وہ لوگ محبت کی تشریح غلط کریں گے' ایسی تشریح کریں گے جس کی ایک کڑی ہوس سے جا ملتی ہے۔

رکمنی یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ کیا وہ کالی ہو کر بھی کوئی ایسا شخص پا سکتی ہے جو اس کے جسم کو چھوڑ دے، اسے ایک حقیر چیز سمجھ کر ٹھکرا دے اور اس کی روح، اس کے جذبوں اور اس کے نرم و پاکیزہ خیالات سے پیار کرے۔

ایسی عورتیں اور ایسے لوگ جن کو تلاش رہتی ہے، روحانی اور غیر مادی تلاش، وہ اکثر خاموش اور چپ چاپ رہتے ہیں لیکن اپنی خاموشی پر ایسی چادر نہیں ڈال دیتے جس پر لوگوں کو کسی بات کا شک ہو، ان کی ہنسی اور ان کے آنسو میں کوئی فرق نہیں رہتا، وہ روتے کم ہیں اور مسکراتے زیادہ ہیں اور اپنی روح کی تمام پاکیزگی کے ساتھ حل تلاش کرتے ہیں۔ اس الجھاوے کا جس میں آنسو ہے اور دکھ ہے — ان کی راتیں، ان کی صبحیں اور ان کی شامیں سب برابر ہوتی ہیں۔ دل اگر بھاری ہوتا ہے اور تلاش کا جذبہ امڈ کر آنکھوں کے راستے دل میں آجاتا ہے تو وہ راتوں کو بھی جاگتے ہیں اور خوشی کے سرچشمہ کو جان کر بھی ان راہوں کو ڈھونڈتے ہیں جہاں سے خوشی گزری ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ خوشی جہاں جہاں سے گزری ہے وہاں اس نے کس کو کتنا دیا ہے اور وہ کتنا اس سے فائدہ مند ہو سکے ہیں اور اس میں کتنا وقار ہے اور ان کی روح میں کتنی بالیدگی ہے اور مسرت ہے۔

واقعی یہ سچ بھی ہے رکمنی کئی راتوں سے جاگ رہی تھی اور وہ منظر دیکھ رہی تھی جس کا پس منظر محبت ہی تھا اور روز ہی وہ سوچتی کہ کیا واقعی ان دونوں جوان مرد و زن میں ایک اچھا اور پوتر جذبہ ہے؟ اور اگر سچ مچ ان کا جذبہ عرفانیت کی حدوں کو چھوتا ہے تو پھر اسے کوئی اجلا بے داغ جذبہ والا نوجوان کیوں نہیں ملتا — وہ اب تک کیوں پیاسی اور بے قرار ہے، اس کی روح کو ٹھنڈک اور یکسانیت کیوں نہیں ملتی۔

وہ آئینہ کے سامنے اب تک بیٹھی اپنے بھرپور گداز جسم کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اس بات کی مطلق فکر نہیں تھی کہ وہ جوانی کی ایسی حدوں میں آگئی ہے جہاں کئی رنگ کے جذبے ایک ساتھ پھوٹتے ہیں اور ان جذبوں میں خواہش اور تسکین کا جذبہ اتنا گہرا اور سخت ہوتا ہے کہ اس جذبہ کی لپیٹ میں آجانا بہت ممکن ہے۔

وہ آج آئینہ میں اپنے گداز جسم کے اوپر پیٹے ہوئے اس کالے پن کو دیکھ رہی تھی جو شاید اس کی راہ میں رکاوٹ تھا کیونکہ اس کے خیال میں یہ بالکل غلط بات تھی کہ پاکیزہ محبت دنیا میں نیست ونابود ہو چکی ہے کیونکہ اگر پاکیزہ محبت دنیا میں نیست ونابود ہو جاتی تو پھر اس کا چھوٹا سا پاک خیال اس کے دل میں کس طرح آن بیٹھتا۔

وہ بہت اداس ہے کیونکہ اس نے محبت کی تلاش بستی بستی کی، کالجوں کے آہنی دروازوں میں گھنٹوں کھڑی رہی، یونیورسٹی کی سیڑھیوں کو بہت خواہش کے ساتھ طے کیا اور اپنے چہرے پر خوشی کی لکیر کو برقرار رکھا لیکن وہ ناکام رہی۔ اسے کوئی بھی ایسا پیارا اور اچھا نوجوان نہیں ملا جس نے اس کی آنکھوں میں انجانے جذبے سے جھانکا ہو اور بغیر کسی غرض کے چاہا ہو۔

وہ آئینہ کے سامنے بیٹھی بہت دیر تک سوچتی رہی اور پھر اس نے فیس پوڈر کی پوری ڈبیہ آئینہ پر دے ماری، آئینہ سفید ہوگیا، چمکتی ہوئی سطح چھپ گئی، آئینہ پر چپکا پوڈر گرتا رہا، سطح میں بعض بعض جگہ چمک آتی گئی اور رکمنی کا چہرہ ان میں سے جھانکتا رہا۔

وہ کالی ہے،

کالی

کالی ہے ——!

اس نے روشنائی کی پوری دوات آئینہ پر الٹ دی، روشنائی بہتی گئی، پوڈر بلو بلیک ہوتے چلے گئے ——

"کس کو کس کو رنگین کروگی، سیاہی کی اتنی ساری بوتلیں کہاں سے لاؤگی —— ؟"

اسے ایسا لگا جیسے پوڈر، آئینہ، روشنائی سب ہنس رہے ہوں۔

"نہیں میں بھٹک نہیں سکتی —— ، محبت بہت اونچی ہے، پہاڑ سے بھی بلند ، آسمان سے بھی وسیع، میں اپنے نظریہ کو گھائل نہیں کر سکتی —— میں اپنے جذبہ کو زخمی نہیں کر سکتی، میں محبت چاہتی ہوں، سچی محبت، پاکیزہ محبت —— میرا دل بھٹک رہا ہے، میرا گداز سینہ کچھ اور چیز کا طالب ہے لیکن لیکن یہ ممکن نہیں، یہ بالکل غلط ہے، بالکل غلط ہے، میں رکمنی ہوں، میں رکمنی رہوں گی، میرا نام کوئی نہیں بدل سکتا، میں اپنے جذبہ کو جلادوں گی، میں

اس جذبہ کو جلادوں گی جو میرے عظیم جذبہ پر غالب آنے کی تاک میں ہے —"
پھر رکمنی کمرہ میں دوڑتی، کچھ ڈھونڈھتی رہی، اس کا بوڑھا باپ دروازے پر کھڑا اسے نہ جانے کب سے دیکھ رہا ہے، اس کی بوڑھی اندھی ماں دوسرے کمرے میں اس کی آواز کے مطابق بمہ آہستہ آہستہ رو رہی ہے، رکمنی دوڑتی ہوئی کمرہ سے باہر نکل گئی اور پھر کچھ دیر ہی میں وہ کمرے کے اندر کچھ تھامے دوڑی ہوئی آئی اور اس نے دروازہ چھپاک سے بند کر دیا،
اس کا باپ دروازہ کے باہر چپ چاپ کھڑا روتا رہا،
رکمنی نے آئینہ میں جھانکا، آخری بار وہ خوب ہنسی دل کھول کر ہنسی اور پھر اس نے آنکھیں موند کر اپنے سر پر کراسن تیل کی پوری بوتل الٹ دی —
" جذبہ گھائل نہیں ہوگا —" اس نے آئینہ سے ایک بار سرگوشی کے انداز میں یہ بات کہی۔
باہر اس کا باپ جو دکھوں کا ایک مسکن اپنے سینے میں آباد کئے تھا، چپ چاپ رو رہا تھا، اس کی ناک میں انسانی جسم کے جلنے کی بو آرہی تھی جس کو اس کی اندھی پتنی بھی محسوس کر رہی تھی — لیکن وہ خاموش تھا، نہ جانے کیوں بہت خاموش تھا۔
دوسری صبح مدھو رو رہی تھی، بہت رو رہی تھی، شیام خاموش تھا، بہت خاموش۔ شاید مدھو نے اپنی انیس سالہ زندگی میں اتنا بڑا دکھ تو کیا اس کا پرتو بھی اپنے دل میں محسوس نہیں کیا تھا —
لیکن مدھو کے آنسو اور شیام کی خاموشی میں بہت فرق تھا، مدھو آنسو بہا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی تھی لیکن شیام خاموش رہ کر اپنے غموں کو اور بھی زیادہ بھاری کر رہا تھا۔
شیام کی مسلسل خاموشی ایک راز بن گئی، پھر اس کے گھر کا ہر فرد اس کی اداسی سے اداس رہنے لگا۔
پھر ایک روز شیام گھر سے کہیں چلا گیا، مدھو نے کانپتے ہاتھوں سے شیام کی میز سے ایک پرزہ اٹھایا۔
" میں بھی ایک پاک جذبہ کی تلاش میں تھا، وہ پاک جذبہ مجھے مل گیا، میری تلاش بیکار رہے!"

●● ————

وائلن کا دل

اسے آج اپنا پورا جسم درد کا ایک ٹکڑا معلوم ہو رہا تھا۔
اس کی آنکھوں پر لگی عینک ہر بار پونچھنے پر بھی دھندلی ہوئی جارہی تھی کیونکہ ہر بار اس ٹکڑے سے ایک ہوک سی اٹھتی تھی۔ آج کا دن اس ناقابلِ فراموش واقعہ کے بعد کا پندرہواں دن تھا جو بنا وائلن بجائے ایک صدی کی ساعت بن کر آہستہ آہستہ گذرا جارہا تھا۔
"پھر وہ وائلن کیوں بجائے جب کہ اس نے استعفےٰ دیدیا تھا۔" اس نے سوچا۔
اس نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں کوئی بھی کام اپنی ذات کے لیے نہیں کیا، وہ وائلن بجاتا تھا کیونکہ اسے بچے پیارے تھے اور ان بچوں میں بارہ سالہ وہ نورین داس پیارا تھا جو سب بچوں کے ساتھ مگر عظیم چاہت لے کر وائلن بجانے کو کہتا تھا۔
وہ دس سال سے اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھا اور ان دس سالوں کے دوران اسے بہت سارے اچھے اور برے شاگرد ملے تھے، لیکن نورین داس جیسا معصوم، کمسن اور ذہین شاگرد اس کی دس سالہ زندگی کے تجربے میں پہلا ہی تھا۔
اسکول شروع ہونے سے کچھ قبل لڑکے روز قومی ترانہ گاتے تھے اور وہ بچوں کو روز وائلن

سنا تا تھا اور وائلن بجاتے ہوئے وہ نورین داس کے اس چھوٹے سے بارہ سالہ معصوم چہرہ کی طرف ضرور دیکھتا تھا جہاں جذبے ان گنت رنگوں میں ظاہر ہوتے تھے۔

"ہائے کہاں ڈھونڈھے وہ ان جذبوں کو جو اس نے نورین کے چہرے پر دیکھے تھے کیونکہ اب صرف اس چہرہ کا تصور ہی باقی تھا کیونکہ چہرہ چتا میں جل کر راکھ ہو گیا تھا اور راکھ میں جذبہ کیسے ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔" اس نے سوچا

اس نے اپنے کمرہ میں رکھی ہوئی ہر چیز کی طرف دیکھنا شروع کیا۔

وائلن

نورین کا معصوم جذبوں سے بھرا چہرا۔

کتابیں

نورین کے بہت سارے کتابوں پر جھکے چہرے۔

اسٹول

کھجور کی چٹائی پر لیٹا نورین۔

راشن کارڈ

کئی وقتوں تک فاقے کرنے والا نورین۔

اور پھر اس کی نظر اپنی ماں کی تصویر پر اٹک گئی۔

ماں

نورین

ماں کی موت

نورین کی موت

اس نے ایک جھرجھری سی لی اور اسے انسانی زندگی عجیب' بہت عجیب لگی کیونکہ اس نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں زندگی کی طرف جب بھی دیکھنے کا ارادہ کیا' وہ کانپ کر سہم گیا کیونکہ ہر بار اسے زندگی نت نئے ڈھنگ میں بدبودار نظر آئی' اس نے دیکھا زندگی ایک کفن شدہ لاش ہے۔

کفن کو تھوڑا سا ہٹا کر دیکھا ایک جانا پہچانا بدبودار جھونکا اس کے رگ و پے میں نشتر چبھو گیا۔
سامنے اس کی ماں کی تصویر تھی جس کی ممتا بھری لاش دو روز تک پھولتی رہی تھی اور وہ اس کے کفن کے لئے دور دور ہاتھ پھیلاتا پھرا تھا اور پھر اس نے اپنی خودداری ساہوکار کو دیدی جس نے اپنے بامعنی مسکراہٹ سے اسے چھلنی کر دیا اور اس کے عوض اسے چاندی کے کئی سکے اور کاغذ کے چند نوٹ ملے۔
چاندی کے یہ سکے اور کاغذ کے یہ بے جان مگر جاندار نوٹ کفن، بانس اور نہ جانے کیا کیا بن گئے اور اس کی ماں منوں مٹی کے اندر داب دی گئی جہاں اس کی ممتا سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گئی ہو گی۔ ابھی وہ یہیں تک سوچ پایا تھا کہ سیالدہ سے راناگھاٹ جانے والی ٹرین کی آواز اور انجن کی سیٹیاں اس کے حواس پر چھا گئیں۔
تھرڈ کلاس کے ڈبے میں ایک ہڈیوں کے ڈھانچہ کی شکل کا شخص لیٹا ہوا تھا۔ اس کی رنگت سیاہ تھی اور اس کا جسم ننگا، صرف میلی دھوتی اس کی کمر کے گرد لپٹی ہوئی تھی، اس کے سرہانے اس کی دھرم پتنی تھی جس کی آنکھیں اپنے شوہر کی خدمت کرتے کرتے تھک کر بوجھل ہو گئی تھیں اور ان آنکھوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ اپنے شوہر کے بغیر رہ سکیں اور اس کمپارٹمنٹ میں اور بھی کئی لوگ تھے لیکن سب کے سب ان دو پیار بھرے جسموں سے بے نیاز تھے جو اپنی زندگی کے آخری حدود میں داخل ہو کر بھی ایک دوسرے کے لئے زندہ رہنے کی کوشش میں تھے۔
اس نے اس ادھیڑ عورت کی بوجھل آنکھوں میں جھانکا، گدلائی ہوئی آنکھوں میں ایک معصوم سا جذبہ تھا جیسے گندے تالاب میں کنول۔
ماں ـــــ!
عورت کی آنکھیں اوپر اٹھیں اور میلے کچیلے آنسو اس کے شوہر کی سیاہ پیشانی پر چمک اٹھے جیسے آنسو نہ ہوں عورت کی پاک تمنائیں ہوں۔
"کہاں جا رہی ہو ـــــ؟" اس نے پوچھا
"دھوبولیا ـــــ!"

"کیوں ــــ ؟"

"شاید اچھے ہو جائیں ــــ !!"

"اور تم دھوبولیا ٹی بی اسپتال جا رہی ہو ــــ ؟"

ہاں'

"اس سے آگے کہاں رہتی تھیں ــــ ؟

"کلکتہ کے فٹ پاتھ پر ــــ !"

"اس سے آگے ــــ ؟"

ان کی جوانی فٹ پاتھ پر ہی کٹی اور میرا ادھیڑپن فٹ پاتھ پر ہی شروع ہوا۔ یہ فٹ پاتھ میں صحت مند آئے اور فٹ پاتھ سے قریب سڑکوں پر رکشا کھینچتے کھینچتے انھیں تپ دق کا مرض لگا اور آج ان کی صحت مندی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے جسے دوبارہ صحت مندی کی علامت دلوانے دھوبولیا اسپتال جا رہی ہوں۔

"کیا ہے ــــ" ادھیڑ عورت ہمہ تن گوش ہو گئی

"رسونتی' پانی۔" اور وہ کھانسنے لگا اور ادھیڑ عورت اس کا سینہ سہلاتی رہی

آخ تھو' آخ تھو وہ مسلسل کھانستا گیا اور تھوکتا گیا اور اسے ایسا لگا جیسے تھوک نہ ہو جسم کا زنگ ہو جو تھوک کے ساتھ ساتھ صحت مندی کو کھرچتا ہوا منہ سے نکل رہا ہو۔

دھوبولیا اسٹیشن آگیا۔

بڑی مشکلوں سے اس نے ادھیڑ عورت اور بوڑھے کو اتارا۔

"اسپتال جاؤ گی ــــ ؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی نہیں کچھ دیر بعد ــــ !" مختصر سا جواب پا کر وہ اپنی منزل کی طرف چلا گیا

تیسرے روز راناگھاٹ سے واپس آتے ہوئے جب ریل دھوبولیا میں رکی تو وہ ایک انجانے جذبے کے تحت کمپارٹمنٹ سے نیچے اتر آیا۔ اس نے دیکھا دور اسٹیشن کے کونے میں وہ عورت رو رہی تھی اور اس سے کچھ فاصلہ پر اس کے پتی کے جسم پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں' وہ مر گیا تھا۔

وہ اس عورت کے مقابل بیٹھ گیا۔

"ماں ـــ" عورت کی صاف ستھری آنسوؤں سے بھری آنکھیں اوپر اٹھیں، ان آنکھوں میں اب کوئی گدلاپن نہیں تھا کیونکہ مسلسل رونے کی وجہ سے وہ سُرخ ہوگئی تھیں۔

"اسپتال نہیں گئی تھیں ـــــ؟" اس نے پوچھا

"گندے اور غریب لوگوں کے لئے اسپتال میں کوئی جگہ نہیں۔" عورت کی آواز اس کے کانوں میں سیٹیاں بجاتی چلی گئیں۔

اس نے اپنی ماں کی تصویر کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں ممتا ایک اتھاہ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی نظر آئی۔ اس عورت کو وہ اپنے ساتھ گاؤں لے آیا کیونکہ اتنے بڑے گاؤں میں وہ سبھوں کا تھا لیکن اس کا کوئی نہ تھا جو اس کی زندگی میں جھانک کر اس کی اونچے نیچے کنکر آلود راہوں کو ہموار کرتا یا ان زخموں پر پھاہے رکھتا جن پر کھرنڈ کبھی نہیں جمتی۔

"ماں۔"

اس عورت کو اس نے اپنی ماں جان لیا اور پھر اسے ایسا لگا جیسے زندگی پر ابھری ہوئی تمام زخمیں مندمل ہوگئی ہوں۔

وہ گاؤں کے مکتب میں بچّوں کو پڑھاتا رہا اور خود کالج میں پڑھتا رہا اور پھر ایک دن جب وہ بی۔ اے کی سند کے لئے جس کی صورت ایک معمولی کاغذ کی سی ہے، امتحان کے پیسے جمع کرکے گھر لوٹا تو اس نے اس عورت کو مردہ پایا جو اس کی کوئی نہ تھی لیکن ماں تھی۔

"ماں ـــ"

جس کی محبت بے لوث ہوتی ہے۔

اس عورت کو اس نے ماں کہا تھا کیونکہ اس نے کتابوں میں پڑھا تھا اور بزرگوں سے سنا تھا کہ ماں کی محبت بے غرض ہوتی ہے۔

اس کی بھی کوئی ماں ہوگی، لیکن وہ نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا مرگئی کیونکہ اس نے اپنا ہوش اپنی منہ بولی پھوپھی زہرہ کے گھر سنبھالا تھا، زہرہ جو ہندو مسلم فساد کے دوران اپنی ایک ہندو سہیلی کی عزت کی خاطر اپنی جان گنوا بیٹھی۔

یہ عورت بھی جسے اس نے ماں کہا تھا ہندو تھی اور جس کا نام رسوتی تھا لیکن جس کے گھر کی

مٹھاس نہ جانے کہاں کس وادی میں گم ہو گئی تھی۔

رسونتی مردہ پڑی تھی، اس کی ماں مردہ پڑی تھی اور اس کی جیب میں چند نئے پیسوں کی بے ہنگم سی آواز تھی۔

دو روز تک وہ لاش کے کریا کرم کے لئے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا رہا لیکن اس کی کوششوں کے پاؤں میں ان گنت چھالے پڑ کر بھی کوئی کام نہ ہوا۔

آخر کار گاؤں کے ساہوکار لالہ جی نے اس وعدہ پر اسے رقم قرض دی کہ وہ رسونتی کی لاش کو جلائے گا نہیں بلکہ دفن کرے گا۔

لالہ جی نے ایسا کیوں کہا جبکہ وہ خود مسلمان ہونے کے باوجود اپنی ماں کو ہندو دھرم کے مطابق جلانا چاہتا تھا کیونکہ اس کی ماں اب ماں نہ تھی رسونتی تھی اور رسونتی کا مذہب ہندو تھا اور ہر ایک کا دھرم اس کے لئے پوتر ہوتا ہے۔

"ماسٹر جی کھانا تیار ہے ۔" اس کے ملازم کی آواز نے اسے ماضی سے بہت دور لا کھڑا کیا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی ماں کی تصویر کی طرف دیکھا اور اس سے نظریں چرا لینی چاہیں کیونکہ وہ اسے جلا نہ سکا تھا۔

"ماسٹر جی آپ اتنے خاموش کیوں ہیں، کیا آج پھر آپ کو نورین داس کی یاد آ رہی ہے ـــــ ؟"

اس کے ملازم نے نورین کا تصور پھر اس کے ذہن کے دریچوں میں ڈال دیا۔

نورین داس ۔ !

اسے ایسا لگا جیسے نورین، بارہ سالہ معصوم نورین، ساتویں جماعت تک اوّل آنے والا نورین، اسے سب طالب العلموں سے پیارا لگنے والا نورین اس کے سامنے اپنی لافانی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑا وائلن بجانے کو کہہ رہا تھا۔

اس نے وائلن اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور اس سے بنگلہ زبان کا ایک انقلابی نغمہ پھوٹ پڑا۔

بحران، بحران زندگی کے ہر شعبے میں بحران

لوگ پاگل اور پریشان

اناج سے لیکر کپڑا تک مسئلہ ہی مسئلہ ـــــ !

نورین اس مسئلہ کی خاطر، روشنی کی خاطر
مارا گیا
بارہ سالہ نورین، جو مسکراہٹ کے معنیٰ بھی نہ جانتا تھا
اور جس نے غم کی اتھاہ تاریکی میں ڈوب کر، علم کا ذریعہ پایا تھا
نورین مرگیا، شہید ہوگیا روشنی کی خاطر
نورین شہید ہوگیا، غم نہ کرو
وہ تو قطرہ تھا ایک اتھاہ سمندر کا ——!

اس کی پلکوں پر ان گنت آنسو آ کر ٹوٹ رہے تھے اور وائلن پر وہ نغمہ بجا رہا تھا جو اس نے نورین کی شہادت کے بعد لکھا تھا، اب وہ اپنی اس ماں کو بھول گیا تھا جس کی لاش پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے دو روز تک اس کے کمرے میں پھولتی رہی تھی، وہ بھول گیا تھا اس ہڈیوں کے ڈھانچے کی شکل کے انسان کو جسے میلا کچیلا ہونے کی وجہ سے اسپتال میں داخلہ نہ ملا تھا ——

وہ سب کچھ بھول گیا تھا لیکن اس کے ذہن پر صرف ایک یاد تھی نورین کی موت
بارہ سالہ نورین کی عظیم موت

نورین جو اس کے اسکول کا ہونہار طالب العلم تھا، جو پہلی جماعت سے ساتویں جماعت تک مسلسل اوّل آتا رہا تھا جس کا باپ بوجھ اٹھاتا تھا اور جس کی دادی گھروں میں بھیک مانگتی تھی جو کئی کئی وقتوں تک فاقے کرتا تھا لیکن ہیڈ ماسٹر جی سے وائلن سنتا تھا، جسے کتابوں کے بعد موسیقی سے عشق تھا

اسے یاد تھا وہ دن غذائی تحریک کا دوسرا دن تھا، طالب العلموں کا جلوس شہر شہر گاؤں گاؤں نکلا، نورین بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آوازیں لگانے لگا،
جلوس چلتا رہا، رکتا رہا اور لڑکے بڑھتے رہے۔
نورین بہت اُداس تھا، کیونکہ وہ کئی راتوں سے پڑھ نہ سکا تھا،
اس کی مانگ

چاول

آٹا نہ تھی بلکہ اس کی مانگ تھی

ایک بوتل کراسن تیل

وہ ایک بوتل کراسن تیل کا طالب تھا تاکہ وہ رات کو پڑھ سکے کیونکہ دن میں جماعت میں پڑھائے گئے سبق کو یاد کرنا ہی اس کی مسرت تھی

نورین کی مسرت کھو گئی تھی اور وہ مسرت کی تلاش میں بڑے لوگوں کے دروازے تک گیا۔

اور

پھر ایک دروازہ سے رائفل نے گولیاں اگلیں اور

بارہ سالہ نورین زمین پر گر گیا، اس کے معصوم دل کے بالکل نیچے سے خون بہہ نکلا ـــــ

مسرت کی تلاش بہت مشکل ہے، لیکن نورین جیسے لڑکوں یا لوگوں کے لئے بہت آسان کیونکہ ایسے لوگوں کی تلاش میں ایک سچا جذبہ ہوتا ہے۔

نورین شہید ہو گیا ـــــ!

اسکول میں نورین کی لاش لڑکوں کے کاندھوں پر ایک ٹوٹے ہوئے بت کی طرح آئی، اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر اب بھی موجود تھی، اسے لگا جیسے اس کے وائلن کا دل ٹوٹ گیا ہو۔

وہ رو پڑا اور اس نے ہیڈ ماسٹری سے استعفا دے دیا۔

نورین کو شہید ہوئے پندرہ دن ہو گئے وہ پریشان تھا۔ اسے اپنا جسم درد کا ایک ٹکڑا معلوم ہو رہا تھا۔

اسے آج سب کی یاد آرہی تھی۔

اب وہ وائلن کبھی نہیں بجائے گا کیونکہ وائلن کا دل نورین تو ٹوٹ چکا ہے۔

اس نے وائلن کو زمین پر پٹخ دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن جوں ہی اس نے وائلن کو ہاتھوں سے پکڑا، وائلن نورین کی موہنی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی مسکراہٹ کے پیچھے اس نے ایک پیغام دیکھا۔

"استعفا واپس لے لیجئے،

نورین کا جذبہ بہت سارے طلبہ کے دلوں میں آپ کا منتظر ہے ـــــ!"

میگی

میگی کے ہونٹ بہت خوبصورت ہیں،
وہ جب بات کرتی ہے تو میں اس کی باتوں کی خوبصورتی پر کبھی بھی دھیان نہیں دیتا بلکہ حرف
اس دائرہ کو دیکھتا ہوں جو میگی کے ہونٹوں سے پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی دل میں پتہ نہیں چپکے
سے یہ خیال کیوں آجاتا ہے کہ اپنے ہونٹ میگی کے ہونٹوں پر رکھ دوں شاید اس کے دل کے
سمندر میں میرے لئے کوئی ارتعاش پیدا ہو۔
ویسے یہ بات نہیں کہ میگی مجھے اپنے آپ کو آفر نہیں کرے گی۔
میگی آوارہ ہے
میگی فاحشہ ہے
لیکن نہ میں میگی کو آفر کرتا ہوں نہ میگی مجھے آفر کرتی ہے کیونکہ ہم ایک ہی فلیٹ کے الگ الگ
کمرے میں رہتے ہیں اس لئے فلیٹ کی ہمسائیگی کا رشتہ آڑے آتا ہے۔
اس قسم کا رشتہ بڑا مقدس ہوتا ہے۔
سوچتا ہوں میگی پر ایک کہانی لکھوں۔ مگر کیا لکھوں گا وہی نا جو ادپر کہہ چکا ہوں یا یہ کہ

میگی اینگلو انڈین ہے، اس کی ایک بہن بھی تھی جولیا۔ اس کا ایک عاشق بھی تھا ولیم — ایک دن ولیم نے شراب کے نشہ میں دھت میگی کے اتنے بوسے لئے کہ میگی نڈھال ہو کر رو پڑی تھی اور آنسوؤں کے بیچ اس نے کہا تھا "تم مجھے اتنا چاہتے ہو، اتنا —"

اور پھر دوسرے دن جب میگی دفتر سے لوٹی تو اس نے اپنے کمرے میں آہٹ کے ساتھ آوازیں بھی سنی تھیں۔ اور جب Key ہول سے جھانک کر دیکھا تھا تو وہ ساکت رہ گئی تھی، ولیم جولیا کے ساتھ ....

اور پھر اسی رات وہ اپنے آفس کے باس کے ساتھ جس کی وہ اسٹینو گرافر تھی ننگی سوئی تھی

اور اور

میگی فاحشہ ہو گئی

بہت پرانی ہے یہ کہانی ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے اور اس کا حل بھی کیا ہے۔

"ہلو رائٹر، کیا سوچ رہے ہو —" یہ مسٹر من کی آواز ہے۔ مسٹر من اسی فلیٹ کے تیسرے کمرے میں رہتا ہے۔ اس کے کمرے میں بھیڑ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت بھیڑ رہتی ہے — پامسٹری کی پرانی کتابیں — کھوپڑیاں — ہڈیاں — لکیروں کی تصویریں —

"مسٹر من کھردری، نرم، باسلیقہ اور بے سلیقہ تمام ہتھیلیوں سے نقاب الٹتا ہے — افلاس، بیماری اور دکھ کو کھرچنے کی تدبیریں بتاتا ہے مگر خود وہ میگی کے پیار میں سلگتا ہے۔ یہ جان کر بھی کہ میگی آوارہ ہے — وہ میگی کے پیار کو کبھی بھی اپنے دل سے کھرچ نہیں سکتا — وہ اکثر تنہائی میں سسک سسک کر روتا ہے اور کہتا ہے "او گاڈ وہاٹ اے ہل آئی ایم — ہیلپ می — میگی میگی —"

چاہت میں نفرت اور نفرت میں چاہت یہ مسٹر من کا دل ہے۔

کیا بات ہے کہانی کار تم کیوں اداس ہو — ؟ مگر نہیں تم کو تو اُداس رہنا ہی ہوگا ورنہ اُداسیوں کی نقاب کشائی کیسے ہوگی، لو Three Castle یہ تو آج ہی ایک مارواڑی سیٹھ دے گیا ہے۔

وہ سیٹھ اپنی کھردری ہتھیلی پر روپے کا درخت لگانا چاہتا ہے۔

وہ کہہ رہا تھا ہندوستان اور پاکستان میں جنگ کب ہوگی کیونکہ ابھی سے اسے بے بی فوڈ کو گودام

میں بند کرنا ہے ۔ وہ یہ جانتا ہے کہ ہر شخص اپنے مستقبل کا تحفظ چاہتا ہے ۔ ننھا بچہ بھی تو باپ کا مستقبل ہے ۔ اس کی بقا کے لئے وہ دس روپے کا بے بی فوڈ بیس روپے میں ضرور خرید یگا ـــــ اس کو میں نے پرسوں بلایا ہے ۔ وہ مجھے سو روپے دے گیا 'Three Castle' کا یہ پیکٹ اور انگلش برانڈی کی ایک بوتل دے گیا ۔

اس نے میری ہتھیلی پر روپے کا بیج بو دیا تا کہ موقع دیکھ کر اسے اُکھاڑ لے ـــــ پیو گے برانڈی اسٹوری رائٹر ۔ لے آؤں اپنے کمرہ سے ـــــ "

رمن کی بات میرے دل کو چھو کر گذری لیکن دل نے اسے اپنے دریچے میں مقفل نہیں کیا کیونکہ سیٹھ کا کام ہی ہے دولت کو سمیٹنا ـــــ دولت تو اس کی رگوں کا خون ہے ۔

میری سوچ نے کمرہ میں سناٹا کر رکھا تھا یکایک دروازہ پر کسی نے دستک دی اور سوچ و تنہائی دونوں کو ریزہ ریزہ کر دیا ۔

" کم ان پلیز ـــــ "

" آیئے مسٹر ابجے بنرجی کیسے ہیں ـــــ ؟ "

" بھالو آچی ـــ " اس نے ایک پمفلٹ میرے سامنے پھینکتے ہوئے کہا ۔

" کالی پوجو ر چاندہ نیتے کیو اشے چھیلو ' دیبے نا ایک پویشا ڈ دیبے نا (کالی پوجا کا چندہ لینے کوئی آیا تھا ' مت دینا ایک پیسہ بھی مت دینا) ـــ " عجیب غرور سے بھرا حاکمانہ لہجہ تھا ۔

ابجے بنرجی میرے مالک مکان آشو بنرجی کا لڑکا ہے ـــــ آشو بنرجی ہمارے علاقہ کا ایم ایل اے ہے ۔

ابجے بنرجی درگا پوجا کے موقع پر پچیس روپیہ زبردستی مجھ سے چندہ کے طور پر لے گیا تھا اور آج وہ ایسی بات کر رہا ہے جیسے درگا دیوی تھی اور کالی دیوی نہیں ـــ

آشو بنرجی کے سات لڑکے ہیں ۔ یہ رات کے اندھیرے میں چوری ' ریپ ' قتل ' غارت گری اور معاشی بدحالی کو فروغ دینے کی خوشی سے ہمیشہ گلے ملتے آئے ہیں ۔

سیاست

" کیا بات ہے اسٹوری رائٹر کیا تم پر آج سوچ کی وحی نازل ہو رہی ہے ـــ " میں نے دیکھا رمن

Three Castle انگلیوں میں دبائے تھا۔ اجے بنرجی جا چکا تھا اور اس کا پھینکا ہوا پمفلٹ میری گود میں پڑا تھا۔

"لے جاؤ رمن اس پمفلٹ کو اپنے ساتھ اور چپکا دو اسے کسی ہتھیلی کی تصویر کے بغل میں کیونکہ ہتھیلی کی کہانی بھی سیاست ہے اور یہ پمفلٹ بھی سیاست ——

میری اپنی آواز مجھے شرمندہ کر رہی تھی —— کیا ہوگا کہانی لکھ کر —— زندگی کے حسن کی بات کیسے کی جائے —— بڑا اچھا تھا کل کا انسان جو ننگا رہتا تھا، اشاروں میں بات کرتا تھا، جانوروں سے خوف کھا کر غاروں میں پناہ گزیں ہوتا تھا۔ اور آج انسان انسان سے خوف کھاتا ہے، رات کی خاموش تنہائی اور اکیلے پن میں نہیں بلکہ کھلی شاہراہ میں بھیڑ کے بیچ ——

کہیں سینے میں کسی کا چاقو نہ اتر جائے ——

"ہاں رمن تم برانڈی کی بات کر رہے تھے نا —— لاؤ آج ایک چلو میں بھی پی لوں ——"

"اسٹوری رائٹر آج تمہارا دماغ صحیح تو ہے —— تم برانڈی پیو گے ——" مسٹر رمن کی زندگی میں میری طرف سے حیرت کا پہلا دن تھا۔

"تم کیوں پیتے ہو رمن —— ؟"

"میں اس لئے پیتا ہوں کہ ان گنت ہتھیلیوں کے گناہ نے مجھے گناہ گار بنا دیا ہے —— تنہائی میں میری سوچ مجھے ننگا کر دیتی ہے اور میں اس ننگے پن سے بھاگنے کے لئے پیتا ہوں —— شراب میرے لئے خول کا کام کرتی ہے —— مگر تم کیوں پینا چاہتے ہو —— تم تو زندگی اور مساوات کی بات کرتے ہو ——"

"رمن آج مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔ بہت سچا، بہت کڑوا ——"

"رمن میں بھی تمہاری طرح ہوں —— تم ہتھیلیوں میں گناہ دیکھتے ہو اور میں ان میں سچائی ڈھونڈتا ہوں —— میں آنسو اور دکھ میں خوشی کی اس لہر کا پتہ لگانا چاہتا ہوں جو کہیں قریب ہی کسی جنگل میں پھنسی ہوئی ہے —— لیکن میری تلاش اب تک اپنی منزل نہیں پا سکی ہے —— پتہ نہیں یہ صرف میرا گناہ ہے یا میری طرح دوسرے اسٹوری رائٹروں کا بھی —— آج مجھے

یہ سوچ تڑپا رہی ہے ـــ اسلئے پینا چاہتا ہوں ـــ"

"اچھا اسٹوری رائٹر، تم آج اپنی سوچ کے نام پر پیو اور میں میگی کے نام پر پیتا ہوں کیونکہ مجھے اس دنیا میں میگی کی ہتھیلی ہی وہ واحد ہتھیلی نظر آئی جس پر گناہ کا نشان نظر نہیں آیا ـــ"

رمن برانڈی کی بوتل لانے اپنے کمرہ میں چلا گیا۔

"میگی ـــ"

میگی گناہ گار نہیں، یہ رمن کی پامسٹری کی آواز تھی یا اس کی محبت کی آواز ـــ"

میں نے کھلے دروازے سے جھانک کر دیکھا میگی کے کمرے میں بتی جل رہی تھی، میں واپس اپنی جگہ پر آگیا اور میگی سے متعلق سوچتا رہا ـــ

بہت دیر بعد رمن آیا اس کے ہاتھ میں خالی برانڈی کی بوتل تھی ـــ

"یہ تو خالی ہے ـــ!" میں نے کہا

"ہاں ہم سب پی گیا، کوری ڈور میں کھڑا کھڑا پی گیا ـــ میگی گناہ گار ہے، اس کے کمرے میں تمہارا ایم ایل اے آشو بنرجی شراب پیتا ہے اور COOL سگریٹ پیتا ہے، اور میگی کے ساتھ............. میگی تم کو ہم بہت اچھا سمجھا تھا ـــ"

رمن فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا

میری سوچ............ ـــ انتہائی بلندی اور انتہائی پستی ہر جگہ زندگی کو تلاش کرتی رہی ـــ

"نہیں ہم تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا ـــ تم کو شرم نہیں آتا، تم ہم کو ایسا بات بولتا۔ تم یہاں سے چلا جاؤ ـــ" یہ آواز میگی کی تھی۔

میں نے اپنے کمرہ سے جھانک کر دیکھا میگی آشو بنرجی کے بڑے بیٹے بھانو بنرجی پر برس رہی تھی

"تم کو جانا ہوگا ـــ تم پردس ہے، تم کیسے نائی جائے گا ـــ ہم تم کو اٹھا کے لے جائیگا۔ اور اگر زیادہ بات کیا تو یہ دیکھتا ہے نا، اسی جگہ بھونک دے گا ـــ"

بھانو بنرجی یہ کہہ کر چلا گیا۔

باپ میگی کے کمرے میں ہے اور بیٹا میگی کو دھمکی دے کر گیا ہے ـــ

"مسٹر من میگی واقعی گناہ گار نہیں ـــ تمہاری پہلی بات ہی سچ تھی ـــ ہر پہلی چیز سچی ہوتی ہے ـــ انسان پہلے وحشی تھا اور آج بھی ہے ـــ

رمن سو گیا تھا، میں بھی سو گیا ـــ دوسری صبح دودھ والے کی آواز سے آنکھ کھلی ـــ

"بابو ساہب آپ کا بغل کا میم ساب ....

میگی کا سرد جسم چھت سے لٹکا ہوا تھا ـــ بے گناہ سچائی نے خودکشی کر لی تھی ـــ!

●● ــــــــــــ
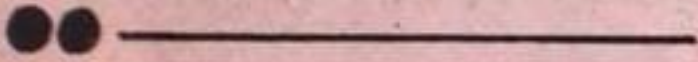
شجرۂ نسب

میں اس وقت بھی اس کی آنکھوں سے چمٹا ہوا تھا جب اس کی بڑی بہو کے پیٹ پر کسی کے پاؤں پڑے تھے اور بڑی بہو کی آنکھیں ابل پڑی تھیں۔ اس سے پہلے اس کی بڑی بہو کا ریپ بہت سارے مذہب پرست جنونی لوگوں نے کیا تھا اور پھر مجھے پتہ نہیں کہ اس اُبلی ہوئی آنکھوں والی لاش کا کیا بنا تھا۔

اس نے کنواں کنواں، پگڈنڈی پگڈنڈی اور کھیت کھیت جا جا کر لال رنگ کا ننگا ننگا جسم دیکھا تھا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کی لاش کو بغیر سر کا ہونے پر بھی پہچان لیا تھا۔ اسے اس وقت اپنے پیٹ میں شدید درد کا احساس ہوا تھا۔ نو ماہ کا پورا درد سمٹ کر اس ایک لمحہ میں گھل مل گیا تھا۔

اس نے اپنے دونوں پوتوں کو اپنے سینے سے چمٹا لیا تھا اور اس کی پوتی جو ایک ہفتہ پہلے اس دنیا میں بے قصور پیدا ہوئی تھی، ماں اور باپ کی موت کا الزام لئے اس کی گود میں رو رہی تھی، یہ الزام کس کے سر ڈالا جائے۔

اللہ اکبر

بندے ماترم

آزاد ہندوستان کا ترنگا جھنڈا بہت نیا تھا۔ اس نئے پرچم پر خون کی پہلی دھار پڑی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ صبح جب وہ عورت اپنے پوتوں کو انگلیوں سے تھامے اور پوتی کو سینے سے لگائے اشوک اعظم کے پاٹلی پتر سے کلکتہ چلی آئی تھی' اس سفر کے دوران میں ہر دم اس کی آنکھوں سے اسی طرح چمٹا تھا۔ میں کبھی بھی نہیں چاہتا تھا کہ میں اس کی آنکھوں سے چمٹا رہوں مگر میں اس طرح اس کی آنکھوں سے چمٹا نہ رہتا تو پھر یہ کہانی کیسے سناتا۔

کلکتہ کے مرلی بگان میں جہاں اقلیتی فرقہ کی ایک بہت بڑی آبادی تھی وہ عورت اپنے پوتوں اور پوتی کے ساتھ رہنے لگی۔ اس دوران کی بہت ساری باتیں میں نہیں جانتا شاید وہ کچھ سکون سے تھی کبھی کبھار وہ اپنے بیٹے کی یاد میں رو لیتی تھی اور جب وہ روتی تھی تو میں اس کے دل کا درد بن کر اس کی پلکوں پر آجاتا تھا اور پھر جب درد کی ندی اتر جاتی تو میں اس دوران کی کہانی جان نہ پاتا۔

ایک دن وہ بہت رو رہی تھی' بہت سارے لوگ' عورتیں' بچے' بوڑھے اور جوان اِدھر سے اُدھر گھبرائے ہوئے سراسیمگی کے عالم میں تھے' اس دن میں پھر اس کے ساتھ تھا' وہ اپنے پوتے کو سینے سے چمٹائے ہوئے تھی اور اس کی پوتی ننگی زمین کی چھاتی پر پڑی بلک رہی تھی۔ اس وقت اس بچّی کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ اس کے خدوخال اس کی ماں سے مشابہ تھے۔

وہ دوسرے لوگوں کی طرح مرلی بگان سے اپنے چھوٹے پوتے اور پوتی کو لئے ہوئے کسی محفوظ مقام کی طرف بھاگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اپنے پوتے کو تلاش کر رہی تھیں اور اس کا وہ پوتا جیسا کہ اس کی روتی ہوئی حالت کے دوران لوگوں نے اسے بتایا کسی کے چاقو سے مار دیا گیا تھا۔

اللہ اکبر اور بندے ماترم کی صداؤں کے درمیان وہ بھاگتی رہی' یہ اس کی دوسری موت تھی۔ مرلی بگان اجڑ چکا تھا۔

وہ مرکزی کلکتہ کے ایک محلہ کیلا بگان میں آگئی۔ وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی روتی آنکھوں میں دو کشتیاں تیر رہی تھیں۔ ایک کشتی میں بے سر کے بیٹے اور بہو کی

لاشیں تھیں اور ایک میں چاقو سے قتل کئے گئے پوتے کی لاش۔
پھر حالات بدلتے گئے اور وہ اپنے چھوٹے پوتے اور پوتی میں اس طرح گم ہوئی کہ میں اسکی قربت سے محروم ہوگیا' ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔
ایک دن پھر اس کے دل نے مجھے پکارا۔ وہ رو رہی تھی اور میں اس کی آنکھوں سے بہت قریب تھا اس کا چھوٹا پوتا اب چوبیس برس کا ایک خوبصورت نوجوان تھا اور اس کی پوتی سترہ سال کی ایک معصوم دوشیزہ ــــ وہ رو رہی تھی اور اپنے پوتے کو ہنگامے کی بھیڑ میں جانے سے روک رہی تھی' اس کی آنکھیں کچھ ایسی ہوگئی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں' مت جا کہ میں تیرے بغیر ایک نامکمل تصویر بن جاؤں گی ــــ اس بھیڑ میں تجھے کہاں ڈھونڈوں گی۔ میری دو آنکھیں ہیں اور ان دو آنکھوں میں دو کشتیاں تین ایسی لاشوں کو لے کر تیر رہی ہیں کہ میں اپنے سینے پر ان کا بوجھ مشکل سے سنبھالے ہوئے ہوں۔ ڈوب جاؤں گی' مجھے بچالے' مت جا' مت جا۔"
وہ عورت اسی طرح روتی رہی' میں اسی طرح اس کے ساتھ رہا۔
کشمیر میں موئے مبارک کی چوری' پاکستان میں فساد اور کلکتہ کے محلوں میں آگ لگتی رہی۔
اس کا چھوٹا پوتا اسے پھر نہ ملا' اس کی لاش شاید ڈیڈ ہاؤس میں میڈیکل پڑھنے والے طلبہ کے کام آئی کیونکہ شہر میں گدھ کے کھانے کا کوئی سوال نہیں۔
گدھ آدمی
آدمی گدھ
یہ اس کی تیسری موت تھی۔
وہ کیا کرے ــ ؟
اب اس کی آنکھوں میں چار لاشوں کا بوجھ تھا۔ وہ کبھی کبھی کانپ کانپ جاتی اور اپنی پوتی کو سینے سے چمٹا کر روتی رہتی۔
ترنگا جھنڈا گورنر ہاؤس پر لہرا رہا تھا۔
قوسِ قزح آسمان پر رنگوں کی کمان لئے تھا۔ اس نے اس کمان کے بیچ ہر محلے کو تاکا۔
اب تحفظ کی ضمانت کون لے' اس نے روتی ہوئی آنکھوں سے ایک فیصلہ کیا ــــ

اس کی نظر ہرے بانس کے جھنڈ پر تھی۔

باپ دادا کے ملک سے وداع ہوتے وقت وہ اتنا روئی، اتنا روئی کہ میری آنکھوں میں تصویریں دھندلی لگنے لگیں۔

اس نے قوسِ قزح کے ملک سے ناطہ توڑ لیا اور سبز بانس کے جھنڈ میں چلی آئی۔

یہاں ہر نیا چہرہ اسے پرانا لگا تھا اور یہاں کی مٹی میں اسے اپنے ملک کی مٹی کی بو محسوس ہوتی تھی۔ اس نے یہ سب محسوس کر کے بھی اپنے کو محفوظ سمجھا تھا کیونکہ سبز بانس کے جھنڈ سے اس کا مذہبی رشتہ تھا۔ اتنا ہونے کے باوجود وہ جوان پوتی کو اپنے آنچل میں چھپائے روتی رہی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں میں اب بھی چار لاشوں کا بوجھ تھا جو قوسِ قزح کے ملک میں کھو گئی تھیں۔

سبز بانس کے مشرقی جھنڈ میں ان گنت لوگ مہاجر کی صورت آئے تھے۔ سب کی ایک کہانی۔ ایک شریف نوجوان مہاجر سے اس نے اپنی پوتی کا بیاہ کر دیا۔ میں اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا اور پھر میں اس کی آنکھوں سے کبھی بھی جدا نہیں ہوا۔

لمحہ، لمحوں پر گرتا رہا۔

ماہ و سال کی صورت بدلتی رہی۔ انقلاب اور آزادی کی خواہش نے نفرت کا سہارا لیا۔

قتل، خون، آگ اور ریپ کے بیچ انسانی زندگی کمزور ہو گئی۔

وہ پاگل ہوا کی طرح بھاگتی ہوئی پوتی کے گھر کی طرف چلی۔ راستہ میں اسے خون کے دھبے ملے قتل شدہ اجسام ملے، دم توڑتے لوگ ملے، جھلسی ہوئی لاشیں ملیں اور جب اس نے پوتی کے گھر میں داخل ہونا چاہا تو اس نے اپنے داماد کی لاش کو گھر کی چوکھٹ پر پڑا پایا۔ اسے اس لاش کو لانگ کر اندر جانا پڑا۔ اس کی پوتی کا بیٹا ماں کی چھاتی کی جگہ انگوٹھا چوس رہا تھا اور اس کی پوتی کی دونوں چھاتیاں اس طرح غائب تھیں جیسے کبھی سینے پر اگی ہی نہیں تھیں۔

مارچ ۱۹۷۱ء میں ہرے بانس کے مشرقی جھنڈ میں آگ لگی تھی ـــــ

اردو زبان

بنگلہ زبان

اس نے اپنی پوتی کے بیٹے کے لئے اپنی زبان بدل دی — پوتی کے بیٹے کو سینے سے چمٹائے ہرے بانس کے جھنڈ کے چک پوسٹ سے نکل کر قوس قزح کے چک پوسٹ میں آگئی۔
قوس قزح کے اس ملک میں اسے ہر چیز پرانی ہوتے ہوئے بھی نئی لگی۔
اس کی مٹی میں اس کی نہ جانے کتنی پشتیں دفن تھیں مگر آج وہ یہاں کے لئے پھر نئی ہو گئی تھی۔
ان گنت لوگ آئے تھے، سب اپنے آپ کو مظلوم کہتے تھے — آخر ظالم کون —؟
قوسِ قزح کا ملک تو اس کا اپنا ملک تھا پھر لوگ اسے اجنبی کیوں سمجھ رہے تھے —؟
میں ہمیشہ اسی طرح اس کی آنکھوں سے لپٹا لپٹا رہا — کہیں کوئی عورت بیماری سے مر رہی تھی اور کہیں کوئی بچہ دم توڑ رہا تھا۔ یہ اپنی پوتی کے بیٹے کو چھاتی سے لگائے اس کیمپ سے اس کیمپ تک بھاگتی رہی تاکہ وہ اپنے خاندان کے اس آخری چراغ کو یہاں کی نت نئی بیماریوں سے بچالے۔ اب میں اس کی آنکھوں میں کیچ کے ساتھ مل گیا تھا اسے کالرا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی پوتی کے بیٹے کو بہت دور ایک جگہ لٹا دیا تھا اور خود تڑپ رہی تھی۔ ایک سماجی کارکن اس کے پاس سے یہ کہتے ہوئے تیزی سے گذر گیا کہ "ان لوگوں کی موت اسی دھرتی پر تھی —"
اس عورت کو یہ آواز بہت بری لگی۔
وہ عالم تشنج میں ہاتھ پاؤں کھینچ رہی تھی۔ اس نے بہت دکھ سے اپنی پوتی کے بیٹے کو دیکھا جو شاید دور دھوپ میں رو رہا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور زمین پر کئی بار اپنا ہاتھ پٹکا اور پھر اس کی گردن ڈھلک گئی — میں اب بھی اس کی پلکوں کے نیچے زندہ ہوں۔ کچھ دیر بعد میں بھی دھوپ کی تمازت میں گم ہو جاؤں گا —
اس کی پوتی کا بیٹا رو رہا ہے۔
اس تنہا بیٹے کا شجرہ نسب کون مرتب کرے گا —؟
کون —؟

●●——————

منظر اور پس منظر

پالنے میں میرا بیٹا جاگ رہا تھا۔

میری بیوی پتہ نہیں کتنی دیر سے اس کا پالنا ہلا رہی تھی کہ وہ سو جائے اور میں اپنے بستر پر لیٹا سگریٹ کے مرغولوں کے بیچ اپنی بیوی کے جسم کے خطوط کی لذت محسوس کر رہا تھا۔

"آؤ بھی شانتی، کمبخت سوئے گا نہیں —" لذت آوازیں بہنے لگی تھی۔

"آپ بہت بے صبر ہیں، آتی ہوں، رات بہت باقی ہے۔ ابھی ہوٹن گی اور ابھی یہ رو دے گا" میری بیوی کی آواز میں چاہت بھی تھی اور ممتا بھی۔

میرے بغلی کمرہ میں میری ماں اب تک جاگ رہی تھی، وہ میرے بڑے بھائی کے چھوٹے بیٹے کرشن سے باتیں کر رہی تھی۔ ان کے بغلی کمرہ میں میرے بھائی اور میری بھاوج بھی جاگ رہی تھی کیونکہ ان کے کمرہ کی لائٹ اب تک آن تھی۔

کہیں دور سے بم کی آواز آئی۔ میرا بیٹا چونک پڑا اور میری بیوی ایک گیت گنگنانے لگی۔

میری بیوی اسی طرح گاتی رہی۔ میرا بیٹا اسی طرح جاگتا رہا۔ میری ماں بھی جاگ رہی تھی۔

بھابھی اور بھیا بھی جاگ رہے تھے اور پھر ایسا ہوا کہ بموں کی آواز تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔
میرا بیٹا سو گیا
میری ماں سو گئی
بھابھی اور بھیا سو گئے
دھماکا ہوتا رہا اور پورا محلہ نیند کی وادی میں گم سم پڑا رہا۔
تب میری بیوی میرے پاس آئی۔ اس کی پلکوں میں نیند کے بوجھل قدم تھے۔
"سو گیا ___ تمہاری لوری میں بہت رس ہے ___" میں نے اس کے بالوں کا بوسہ لیتے ہوئے کہا
"میری لوری میں نہیں، بموں کی آواز میں رومانیت تھی اسی لئے سو گیا ___" میری بیوی میری باہوں میں الجھ گئی اور جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ اسی طرح مجھ سے الجھی سوئی ہوئی تھی۔
دس بجنے والا تھا، دفتر جانے کی مجھے جلدی تھی کیونکہ آج بی۔ اسٹیٹمنٹ مکمل کرنا تھا ___
سیالدہ پہنچا
دھم
دھم
دھم
بموں کی آواز کے ساتھ انسانی آوازوں کا ایک سمندر بہہ رہا تھا، ہر شخص ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا
"کیا ہوا ___؟ کیوں ہوا ___؟"
مہاتما گاندھی روڈ پر سریندر ناتھ کالج کے سامنے تین ٹرامیں جل رہی تھیں۔
نکسل باڑی لال سلام
لال سلام
ان آوازوں میں نہ تو رومانیت تھی اور نہ عزم، بس ایک وقتی جذبہ تھا جو آوازوں کے ساتھ بہہ رہا تھا

اشک آور گیس میری آنکھوں میں بھی چبھنے لگا اور میں نے قریب کے نل سے رومال تر کر کے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

"ہٹئے بھائی، راستہ دیجئے، نہیں بچے گا، مر جائے گا ــــــ!" کئی آوازیں آگے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔

میں نے دیکھا ایک میلا کچیلا لڑکا خون سے تر بتر تھا۔

اسے پولیس کی گولی لگی تھی۔ اس کی عمر مشکل سے چودہ سال ہوگی۔

"گولی اسے کیسے لگی ــــ؟" ایک آواز نے آوازوں کو گھیر لیا

یہ لڑکا چائے دکان میں ملازم تھا۔ بچہ ہے بھیڑ میں چلا گیا تھا، بس لگ گئی گولی ــــــ"

آواز کی آنکھوں میں زندگی سے محبت کا کرب تھا

دوسری صبح اخبار کے کالم میں یہ خبر تھی

"مہاتما گاندھی روڈ پر پولیس کی گولی سے ایک نکسل وادی طالب العلم کی موت ــــــ"

●● ــــــــــــــــــــ

۴/۱ کیلومیٹر سڑک پر ایک گھنٹہ

ہر چیز اپنے مرکز کی طرف جاتی ہے
کھٹاک
میرے سر پر ایک پتھر لگا
اوپر
بہت اوپر رانی کی تصویر مونالیزا کی مسکراہٹ کے ساتھ بجھ رہی ہے — !
ہر چیز اپنے مرکز کی طرف جاتی ہے
بابو لنگڑا
بابو لنگڑا
دو روپیہ پچاس پیسے کیلو
چھپاک
ایک
دو

تین

بہت سارے پتلون' دھوتی اور ساڑی میں ڈھکے مرد وزن بس ڈرائیور کو گالیاں دے رہے تھے

راستہ کے کیچڑ ہی تیرا تو مقدر ہیں۔

"کی ہولو دادا ـــــ ؟"

"کی ہولو ـــــ چکھ نائی ـــــ ؟"

مسکراہٹ

مونالیزا' مونالیزا۔

کہاں ہے لیونارڈو ونسی جس نے مونالیزا کی مسکراہٹ کو بغیر مفہوم کے چھوڑ دیا۔

گورے جسم کا حسن کالا بلاؤز

کالے بلاؤز کی بدصورتی

کالے پیٹی کوٹ کا ڈھکن ـــــ !

کچھ دور پر نیا تعمیر ہوتا ہوا سیالدہ ریلوے اسٹیشن۔

پرانی اینٹ' پرانی لکڑی ـــــ ہول سیل ـــــ :

بغل میں سیالدہ کورٹ ـــــ بابو ایفی ڈیوٹ ـــــ سامنے غول در غول کٹی پھٹی عورتیں۔

جرم ـــــ ؟؟

اونچے بلاؤز اور ناف سے نیچے کھسکے کپڑوں کی پوشیدہ جگہوں کی فروخت۔

؟

جیاتی کا ناچ ـــــ

اناج بچائیے ـــــ مل جل کر کھائیے ـــــ !

جھیل اسٹورس

"ایک پیکٹ چار مینار

نائی (نہیں ہے)

کینو — ؟ (کیوں)
سپلائی نائی
سامنے شوکیس میں امریکہ، اسٹریلیا اور انگلینڈ کے سگریٹ مسکرا رہے ہیں۔
بابو کی جیب
بچے کے لئے دودھ، ماں کے لئے دوائیں، بیوی کے لئے پیٹی کوٹ.........
دس نمبر کی بس
یلغار ہو —
دھوتی، ساڑی، پینٹ، چست پاجامہ — مذہب، ذات۔ ایک رشتہ۔
منزل — منزل — !
بس سے قریب ایک رکشا — !
اے سالا رکشا ہٹ — !
بابو پانی پئے گا — !
اس کی ہتھیلی پر گڑ کا ایک ڈھیلا۔
ہٹ سالا پانی پئے گا — !
رکشا والے کی پیاس کا چیک پوسٹ قریب کے کوڑے پر — کوڑا جو حاملہ عورت کے پیٹ کی طرح بڑھ رہا ہے — !
اونچے نیچے راستے —
ڈرائیو سلو کا بورڈ —
تیز سے تیز تر آتی ہوئی بسیں۔
نرسنگ ہوم — !
نو ہارن —
کان پھاڑتے ہوئے ہارن کی آواز
برسات کی دھوپ

موم کی طرح پگھل کر دیکھو

پھر کڑی دھوپ کا منظر دیکھو

مار دو سالے کو ــــ !

نہیں نہیں مجھے مت مارو ــــ میرا کوئی گناہ نہیں ــــ میری بیٹی بیمار ....

مار و سالے کو ــــ بیٹی تم نے پیدا کیوں کی۔

بھیڑ سے قریب ایک حاملہ عورت ــــ ان گنت نظروں کا احتجاج ــــ

مسجد ربّانی

لوگوں کی بھیڑ ــــ مسجد کے متولی عبدالجبار کا ایک آدمی سے جھگڑا، مسجد کی دیوار پر پیشاب کے نشانات ــــ اس سے اوپر یہ بورڈ ــــ "مسجد کی دیوار پر پیشاب کرنا مندر کی دیوار پر پیشاب کرنے کے برابر ہے ــــ"

یکایک میرا ذہن ان تیزابی پیشاب کے نشانات سے الجھتا دورِ آزادی سے پہلے دنوں میں چلا گیا ــــ اور پھر میری آنکھوں نے دیکھا پیشاب کرنے والوں کے اعضائے تناسل کٹ کر فٹ پاتھ پر تڑپ رہے ہیں ــــ !

مندر

مسجد

ڈرائیو سلو

چلڈرن کراسنگ

ہاؤس فل

CALCUTTA '71

صرف آوازیں ــــ کی ہو لو ۔ کو بھاگے ــــ کوئی آواز صاف نہیں ــــ بس لوگ بھاگ رہے ہیں۔

دوڑنا بھی ایک آواز ہے ــــ میں بھی دوڑا۔

وزن برقرار رکھتا ٹراموینر کے پتھروں پر چڑھ گیا۔ آٹھ سال کا معصوم سا جسم فراک

ــــــ

لہ رفیق الزماں

میں ڈھکا پڑا تھا ۔ اس کی کھوپڑیاں دو پیالوں کی شکل اس کی ماں کے ہاتھوں میں تھیں ۔
وہ اس کھوپڑی سے خارج شدہ مغز کو چن رہی تھی اور لوگوں کی طرف التجا بھری نگاہوں
سے دیکھ دیکھ کر یہ کہہ رہی تھی ۔ بھائیو میری مدد کرو ۔ ان مغز کے ٹکڑوں کو اس
کاسۂ سر میں ڈال دو ۔ میری بچی نہیں مری ۔ وہ بچ جائے گی ۔ اس کا باپ اسپتال
میں اس کا انتظار کر رہا ہے ۔ ایک نظر اس کو دیکھنا چاہتا ہے ۔
بھائیو ۔ میرے اچھے بھائیو ۔ !
ڈرائیو سلو ۔ چلڈرن کراسنگ ۔ کلکتہ ۷۳ ۔ مسجد ربّانی ......
آوازیں بند ہوگئیں اور تصویریں دھندلی ہوگئیں ۔
آنکھیں کھلیں تو خود کو اسٹار آپٹیکل اسٹور میں لیٹا پایا ۔ چاروں طرف شوکیسوں
میں سجے کھوکھلے فریم ۔ بغیر شیشے کے فریم ۔ !
لکڑی کے فریموں میں مقید الٹے حروف ۔ دائرے ۔ تکون ۔ !
میں نے سر کو بائیں طرف موڑ کر دیکھا
بہت اوپر رانی کی تصویر مونا لیزا کی مسکراہٹ کے ساتھ بجھ رہی ہے ۔ !

●● ———

ابد سے پہلے

اور جب ساری شام اس نے ماتمی لباس پہن لیا تو اس نے چپکے سے کمرے کی بتی جلا دی ——
آشا کی نظروں میں شدید احتجاج تھا، اس نے آہستہ سے بتی بجھا دی —— !
"ایک کہانی سنو گی —" وہ خاموش رہی —— "ایک دن ....
"مجھے تمہاری آواز سے ڈر لگتا ہے —" آشا کی آواز سپاٹ اور بے رس تھی۔
"بتی جلا دوں، شاید روشنی میں تم میری آواز سے خوف نہ کھاؤ —" اس نے کہا
"نہیں مجھے روشنی سے ڈر لگتا ہے — آشا کی آواز لرز رہی تھی۔
وہ اس کے بہت قریب پہنچ گیا —— اس کی ساری بول اٹھی اور اس نے انوپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا —— "تم بولو گے نہیں —— اور پھر وہ بغیر کسی آواز کے آوازوں کی ایک ننھی سی دنیا تعمیر کرنے میں مصروف ہو گئے۔
"کل والی کہانی سنو گی —" انوپ نے اس سے ناشتے کی ٹیبل پر پوچھا
"نہیں —" وہ چیخ پڑی —— بھگوان کے لئے خاموش ہو جاؤ کہ تمہاری کہانی سنانے والی آواز سے مجھے ڈر لگتا ہے اور وحشت ہوتی ہے —— "یہ کہہ کر اس نے اپنے پیٹ پر

رکابی رکھ لی۔

"یہ کیا کرتی ہو، کیا ہوا ___؟" اس نے گھبرا کر پوچھا

تمہاری کہانی سے مجھے ڈر لگتا ہے، تم میرے اس ایک ماہ کے بچے کا قتل نہیں کر سکتے، پلیز انوپ پھر مت لینا تم کہانی کا نام ورنہ میں سوسائیڈ کر لوں گی۔ آشا کی آواز میں صدیوں کا کرب تھا۔

پھر بہت دیر تک وہ یوں ہی گم سم بیٹھے رہے، اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی کہ کل رات سے آشا کو کیا ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے اپنے چہرے کو اس کے چہرے کے قریب کر دیا۔ "آشا تمہیں کیا ہو گیا ___؟

آشا کی آنکھوں میں پانی کے قطرے تھے، پانی جس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ وہ چپکے سے اٹھی برآمدے سے گذرتی اوپر سیڑھیوں پر چڑھنے لگی اور پھر سامنے لٹکی ہوئی رائفل کو اس نے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کیا ہوا آشا ___؟ تمہیں کیا ہو گیا ___؟" اس کی آواز اسے اپنی نہیں لگ رہی تھی۔

"انوپ اگر اس رائفل میں سنگین لگا دی جائے تو یہ کیسی لگے گی ___ اور پھر یہ سنگین لگی رائفل اگر کوئی میرے پیٹ پر رکھ دے ___" آشا پتہ نہیں کہاں سے بول رہی تھی۔

اس نے دوڑ کر آشا سے رائفل چھین لی اور اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔

"آشا ایسا کیوں کہتی ہو، اس میں میری امانت ہے نا ___ تم نے کچھ دیر قبل کہا تھا کہ اس میں ایک ماہ کی ہماری اور تمہاری محبت چھپی ہے ___"

"محبت ___" آشا نے اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ___ "نو ماہ کی مکمل تصویر جو کسی دو کی محبت کی یادگار بننے والی تھی اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تم نے....."

"آشا خاموش ہو جاؤ کہ میں اس لمحہ سے کانپ کانپ جاتا ہوں۔ میرا فرض میرا گناہ نہیں، ہاں میری لاپرواہی ضرور میرا گناہ ہے، اس کے لئے میں گھنٹوں رویا ہوں۔

اس کہانی کو دوسروں کو سنا کر میں نے اپنے دل کا بوجھ کم کرنا چاہا ہے، میں وہی کہانی آج تمہیں سنانا چاہتا تھا لیکن تم یہ سب کیسے کہہ رہی ہو، تمہیں اس کہانی کا علم کیسے ہوا ___

بولو آشا' بولو تمہیں میری قسم —"

"تم رو رہے ہو انوپ' تم تو فوجی افسر ہو' تم تو فضاؤں میں بارود کی بو سونگھتے ہو اور اور میرے بالوں میں ازل کی خوشبو جو ابد کی کہانی بھلا دیتی ہے —"

"ہاں آشا یہ آنسو خوشبو ہی کی دین ہے — ورنہ بارود کی بو میں وہ آنسو کہاں جس سے محبت جنم لیتی ہے اور منزل کی امید ہوتی ہے —"

یکایک بہت زور دار ہوا چلی اور اس کے بچپن کی تصویر کیل سے الگ ہو کر جھول گئی — تمہیں یاد ہے اپنا بچپن — ؟" آشا نے ایک عجیب سوال کیا۔

"بچپن — بچپن — بچپن —"

اس نے پلٹ کر آشا کو بھینچ لیا۔

بہت دور گھاس سے بچ بچ کر ایک نوعمر لڑکا دوڑا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کا باپ تھا۔

" انوپ" گھاس پر دوڑو — شبنم کے قطروں پر چلنے سے آنکھوں میں روشنی بڑھتی ہے —"

"بابا — ان کی بھی تو زندگی ہے —"

شبنم

زندگی

ایک نوعمر بچے کا ایک فرسودہ خیال — ایک نوعمر بچے کی ایک اعلیٰ سوچ — !

"ہاں یاد ہے مجھے اپنا بچپن' اچھی طرح یاد ہے مجھے اپنا بچپن' میں اس بچپن کی اعلیٰ سوچ کو سنبھال نہ سکا آشا —" انوپ کی آواز میں درد تھا۔

"تمہاری اعلیٰ سوچ کا قتل کس نے کیا — ؟"

"خود میں نے ! " میں ان جانے میں اس کا قتل کرتا گیا —" انوپ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"کچھ بتاؤ اور کچھ بتاؤ —" آشا کا خوف انوپ کے آنسوؤں میں بہہ گیا تھا۔

"تم تو میری آواز سے ڈرتی ہو' سن سکو گی وہ کہانی — وہی کہانی — ! ؟"

الذپ کہہ رہا تھا ۔
واٹر ٹینک میں زہر ہی زہر تھا لیکن ہم میں سے کوئی نہیں مرا ۔۔ مجرم گرفتار کر کے لایا گیا ۔
اس نے اپنی آواز پر تالا لگا لیا
"کون ۔۔۔ ؟"
"کہاں ۔۔۔ ؟"
"کتنے آدمی اور ۔۔۔ ؟؟"
کی صدا گونجتی رہی لیکن اس نے اپنی آواز کو قید سے رہائی نہ دی اور پھر اسے بہت مارا گیا ۔
برداشت کی حد سے وہ نہ گذرا ۔۔ وفاداری کی سرحد پر جا رہا اور آخر کار مر گیا لیکن اسنے اپنی وفاداری فروخت نہ کی ۔۔ !
اپنے کمانڈر کے آرڈر پر ہم نے اس کی لاش کو آخری سلامی دی ۔ احترام اور عزت کے ساتھ اسے قبر میں دفن کر دیا ۔
اس کی موت نے اسے دنیاوی مذہب سے نکال کر اس مذہب میں فٹ کر دیا تھا جسے "فوجی" کہتے ہیں ۔
ہمارے فوجی تیاری میں مصروف تھے اور پھر ہم نے دشمنوں کی سرحد پر کے ایک گاؤں کی خبر لی جہاں دشمن کے ان گنت سپاہی تھے ۔ !
ہم آگے بڑھتے گئے اور پھر ہم نے وہ گاؤں اپنے قبضہ میں کر لیا ۔
"ملٹری آپریشن ۔۔۔"
ہم نے ہر گھر کا محاصرہ کر لیا ۔۔ میں اپنے ساتھیوں سے الگ ایک گھر کے دروازہ پر جم گیا ۔
بہت دیر بعد یکایک دروازہ میں جنبش ہوئی ۔ میں نے پوزیشن سنبھال لی، رہ رہ کر دروازہ کا اوپری حصہ جنبش کرتا اور کوئی دھب سے بیٹھ جاتا ۔ میں آہستہ آہستہ دروازہ کے بالکل سامنے سنگین لگی رائفل اٹھائے آگیا ۔۔ میں نے سنگین کو دروازہ کے جسم سے لگا دیا ۔
دروازہ جنبش کرتا رہا اور پھر یکایک دروازہ کھلا اور ایک طویل نسوانی چیخ فضاؤں میں

گو بختی چلی گئی ۔"

"نہیں یہ غلط ہے — میں نے اس کا قتل نہیں کیا، میں نے ان لوگوں کا قتل نہیں کیا ۔"

کہانی بولتے بولتے یکایک انوپ آشا کے جسم سے ادھر چھٹک گیا ۔

"تم یکایک یہ کیا کہنے لگے، پھر کیا ہوا — ؟ وہ کون تھی — ؟" آشا نے انوپ کو جھنجھوڑا

"بھاگ چلو آشا، اس گھر سے بھاگ چلو، یہاں مجھے ڈر لگتا ہے — ہماری محبت کی جاگیر تو تمہارے پیٹ میں ابھی ایک ماہ کی ہے، ابھی بہت سارے مہینے اس جاگیر کو شکل و صورت اختیار کرنے میں لگیں گے، کہیں ازل سے شروع ہوتی ہوئی اس کہانی کی ہوا ادھر بھی نہ بہنے لگے ۔"

انوپ آشا سے الگ ہو گیا اور پھر دوڑ کر اس نے رائفل کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا ۔

ایک

دو

تین

اس نے رائفل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے !

"تم کیا کر رہے ہو — فرض غلطی نہیں — گناہ نہیں — !"

"ایک نہیں دو خون — اس عورت کے جسم میں پلتا ہوا مکمل چہرہ بھی اس زد میں آیا —"

انوپ پاگل ہو رہا تھا ۔ آشا نے پلٹ کر انوپ کی ڈائری پر ایک نظر ڈالی اور پھر ٹکڑے ٹکڑے رائفل پر تھوک دیا اور انوپ کے سینے سے لگ گئی — !

●● ———

سُرخ خط منحنی

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔
کیونکہ اس کے بیٹے نے کیمل انک کی پوری دوات دیوار کے اس حصہ پر انڈیل دی تھی جہاں رانی کا نام لکھا تھا۔
اس کی آنکھوں میں خون اس لئے نہیں اتر آیا تھا کہ اس کے بیٹے نے رانی کے نام کو لال رنگ سے مٹانا چاہا تھا بلکہ اس لئے آیا تھا کہ اسے ابھی اسی وقت کیمل انک کی ضرورت تھی اور کیمل انک چھوٹی دکانوں میں دستیاب نہ تھی۔
اسے نقشہ مکمل کر کے آج ہی بلاک میکر کو دینا تھا کیونکہ مختلف صوبوں میں تقسیم شدہ ملک کو اس بار اس نے بالکل مختلف رنگوں سے اجاگر کیا تھا اور ان رنگوں کے انتخاب میں اسے بہت دشواری ہوئی تھی کہ وہ گہری سوچ کا آدمی تھا اور گہری سوچ کا آدمی کبھی کبھار الجھاوے میں پڑ کر قطعی فیصلہ کرنے میں دیر کرتا ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اس کا آخری فیصلہ بڑا جاندار اور پُر معنی ہوتا ہے۔
اس نے ہر صوبہ کے لئے ایک نیا رنگ پسند کیا تھا اور ہر صوبہ کی حد بندی کے لئے جو

جو خطوط منحنی اسے کھینچنے تھے اس کے لئے بھی پچھلے سال سے مختلف رنگ تھے۔
اسے اپنے بیٹے پر شدید غصہ آ رہا تھا کہ اس کم بخت کو یہ کیا سوجھی۔
اس کا بیٹا ابھی دس سال کا نابالغ لڑکا ہے جو پانچویں جماعت میں پڑھتا ہے اور پانچویں جماعت کے ایک نابالغ طالب العلم نے رانی کے کالے حروف میں لکھے خوبصورت نام کو لال رنگ سے کیوں مٹایا ؟
اسے اب اپنے آپ پر شدید غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے سے کل یہ کیوں کہا تھا کہ اپنی پسند کی تصویریں بنانا۔
اسے لال کیمل انک کی ضرورت تھی کہ اسے مشرقی صوبوں کی حد بندی لال رنگ کے خط منحنی سے کرنی تھی اور صوبوں کی حد بندی تو اس نے مختلف رنگوں سے کر ہی دی تھی۔ چونکہ وہ لال رنگ کے لئے اپنی آنکھوں میں خون اتار لایا تھا اس لئے ابھی اسی کی بات سامنے تھی اور جو چیز سامنے ہو، وہی اہم ہو جاتی ہے۔
مشرق بعید کے اہم صوبے کو اس نے کالے رنگ سے بھر دیا تھا اور اب اس کی حد بندی کے لئے اسے لال رنگ کی ضرورت تھی جسے اس کے بیٹے نے رانی کے کالے حرفوں میں لکھے خوبصورت نام پر ضائع کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، اس کی سوچ اور گہری ہوتی جا رہی تھی اور مختلف صوبوں کے پروبلمس اس کی آنکھوں کے سامنے تیز ترین برقی ٹرین کی طرح بھاگے جا رہے تھے۔ یکایک اس کے جی میں آیا کہ وہ مدرسہ ربّانیہ چلا جائے اور اپنے بیٹے کے کلاس ٹیچر مولوی عبدالجبّار سے اجازت لئے بغیر اپنے بیٹے کو اتنا مارے کہ اس کے بدن کے کسی حصّہ سے خون نکل آئے اور اسی خون سے اس اہم ترین صوبے کی حد بندی کر دے لیکن اس کی سوچ پھر بہہ گئی اور اسے اپنا بیٹا نہایت معصوم نظر آیا کیونکہ اس کی عمر ابھی دس سال کی ہے اور دس سال کے بچے کا شعور کتنا بالغ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی چیز کی اہمیت سمجھے۔ لیکن اسے خط منحنی کھینچنا ہی ہے کہ نقشہ آج ہی بلاک میکر کے پاس جائے گا۔ اس کی سوچ پھر گہری ہو گئی اور اس نے سوئی سے اپنے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی پر ایک نقطہ لگا دیا۔

خون کا ایک ننھا سا قطرہ کچھ بڑا ہو کر پھیل گیا۔ اس نے اس خون سے مشرق بعید کے اس صوبے کی حد بندی شروع کی لیکن خون کا رنگ اسے پھیکا لگا اور حد بندی کے مکمل ہونے سے پہلے خون کی آمد بند ہو گئی۔

اسے پھر اپنے اوپر شدید غصہ آگیا اور اس نے بھارت بلیڈ سے اپنی انگلی کو شدید طور سے زخمی کر لیا۔ خون تیزی سے بہنے لگا اور وہ تیزی سے حد بندی میں مصروف ہو گیا۔ حد بندی مکمل ہو گئی، اس کا چہرہ کھل اٹھا لیکن جب اس نے بائیں ہاتھ کی انگلی کے نیچے دیکھا تو بہت سارا خون ننگے فرش پر بکھرا تھا۔ پھر اس کی سوچ گہری ہونے لگی۔ ہر صوبے کے پروبلمس پھر برقی ٹرین کی رفتار سے بھاگنے لگے۔ اس نے طاق سے بلاک کیمل انک کی دوات نکالی اور ملک کے پورے نقشے پر پھیلا دیا اور پھر پورے ملک کی حد بندی اپنے خون سے کرنے لگا۔!

●● ———————

دھماکا

دھماکے ہو رہے ہیں۔
نئے سال کا استقبال دھماکوں سے کیا جا رہا ہے۔ عمر کم ہو گئی۔ عمر بڑھ گئی۔ دھماکوں کے بیچ نئے سال کا استقبال پتہ نہیں کون لوگ کر رہے ہیں۔
دھماکوں سے نفرت — !
دھماکوں کی زندگی میں اہمیت — !
کیا زندگی اس وقت تک مکمل نہیں جب تک اس کے کنارے، سرے یا بیچ سے ہو کر دھماکا نہ گذرے؟
زندگی کے ولولے
دھماکا —
زندگی کا استحکام — دھماکا!
میں نے بموں کی آوازوں کے بیچ اپنی بیوی سے کہا — "نیا سال مبارک!"
"تحفہ —"

اس کی پیشانی پر ایک طویل بوسہ ـــ
دائرہ دائرہ ـ خطوط ـ تکون ـــ!
نوشاد کے یہاں آج دعوت ہے ۔ تیاری دعوت کی ـــ کہ ہر دعوت میں تکلف ضروری ہے
پتہ نہیں کیوں ـــ ؟
دعوت پر تکلف رہی ـ ہنسی کے دوران کچھ آنسوؤں کی باتیں بھی ہوگئیں ـ! پرانے
دن، پرانی یادیں ـ دستک سی درِ دل پر ـ لہریں آتی ہیں ـ لہریں جاتی ہیں ـ
گھر کو واپسی کہ چار آنکھیں میری منتظر ہیں ـ بیٹا ـ بیوی ـ!

سفر ـ!
نوشاد کے ساتھ تیز سے تیز تر چال ـ نئے سال کی بھیڑ بھاڑ ـ دھکے، ٹرام، بس،
گاڑی ـ خریداری ـ کمبل، چادر، تولیہ، ساڑی ـ نیا سال ـ خوش آمدید ـ!
ایک دن اور کم ہوا ـ تیزی میں کمی ـ زندگی کی آرزو ـ!
کھانستا ہوا بوڑھا زندگی کا آرزومند ہے، زندگی سے وہ لپٹ لپٹ کر اب بھی جینا چاہتا ہے۔
کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہوس کا بندہ ہے ۔ میرا خیال ہے، شاید اس کی زندگی سے
ایک اور زندگی لپٹی، چپکی جی رہی ہو ـــ آرزو کی پاکیزگی کی بات لوگ کیوں نہیں سوچتے۔
ہر چیز غلیظ ہے، کیا یہ سچ ہے ـ ؟ سوچ کا ڈھنگ کیوں نہیں بدلتا ـ! فرد کی غلطی ـ!
اجتماعی غلطی ـــ!
اسی بھیڑ میں کمال سے ملاقات ـــ کمال جو زندگی کی باتیں بہت زوردار انداز میں کرتا ہے
مگر جو اندر ہی اندر ٹوٹتا جا رہا ہے ۔ ٹوٹنے کا عمل کیوں جاری ہے، شاید اس لئے کہ
اس کی زندگی میں اس ساتھی کا ساتھ نہیں جس میں ٹھنڈک اور تپش دونوں ہیں ـ
"داڑھی کیوں بڑھا رکھی ہے، کمبخت ـ ؟ آج نئے سال کا پہلا دن ہے ـ ؟
"سال تم لوگوں کا ہے ۔ ہمارے پاس لمبی زلفوں کی تراوٹ کہاں ـــ ؟
الگن اسٹریٹ کا چوراہا ـ ہم رک گئے کہ گاڑیاں چاروں طرف سے بھاگ بھاگ کر موڑ
پر ٹھٹھک رہی ہیں ـــ!

سامنے پولیس مین مجسم سگنل بنا ہوا ہے ـــ

بایاں، دایاں ـــ!

ہم کو راستہ پار کرنا ہے ـــ!

ہم تینوں خاموش ہیں کہ ہماری نظروں کے سامنے سگنل بنا ہوا پولیس مین ہے جس کی مدد کی ہمیں ضرورت ہے کہ ہم راستہ پار کرسکیں ـــ تمام باتیں ذہن سے نکل چکی ہیں۔

بس راستہ پار کرنا ہے ـــ!

ایک سائیکل مخالف سمت سے بہت تیزی سے آئی ہے، وہ ایک کار اور ایک ٹیکسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور پھر پولیس مین کے بالکل سامنے رک گئی ہے ـــ!

پولیس مین کے ہاتھ خود بخود گر گئے ہیں اور وہ اپنے چبوترے سے نیچے آگیا ہے ـــ!

سائیکل سوار کے لب ہل رہے ہیں ـــ!

رنگ

ان گنت رنگ

سگنل ـــ پولیس مین ـــ!

سگنل مجسمہ ـــ!

ہارن آوازیں

ہارن ـــ احتجاج

ہارن ـــ جلدی

ہارن ـــ ضرورت

ہارن ـــ گالی ـــ!

سائیکل سوار جس سمت سے آیا تھا اسی سمت کو واپس چلا گیا ہے۔

چاروں طرف کی گاڑیاں سر جوڑ چکی ہیں ـــ پولیس مین اضطرابی کیفیت کا شکار ہے۔

اس کا بایاں ہاتھ اٹھا ہوا ہے ـــ ہم اس کے داہنی طرف اب تک کھڑے ہیں ـــ!

اس کا چہرہ مرجھا گیا ہے ـــ اس کی آنکھیں سامنے مرفی ریڈیو کے بہت بڑے بورڈ پر

جمی ہوئی ہیں جہاں ایک خوبصورت سا بچہ منہ میں دایاں انگوٹھا ڈالے مسکرا رہا ہے۔
چاروں طرف کی گاڑیاں ہارن دے رہی ہیں کیونکہ سب ایک جگہ گتھ گئی ہیں ___
وہ سگنل بنا کھڑا ہے ___ بایاں ہاتھ اسی طرح اٹھا ہوا ہے ___ اس کی نظریں بچے پر مرکوز ہیں۔

ہارن ___ احتجاج

ہارن ___ گالی

پولیس مین ___ سگنل ___ وہی بایاں ہاتھ ___ !

شاید دایاں ہاتھ بے کار ہو چکا ہے ___ !

●● ___________

جنگ

تو پھر جنگ کی بات کہاں سے شروع کی جائے — سناٹا، خاموشی، اُداسی، ڈر، خوف اور پھر ان میں اسیر ہو کر رونگٹوں کا کھڑا ہو جانا، جسم میں ارتعاش کا پیدا ہونا، دوران خون کا تیز ہونا اور رہ رہ کر دل و دماغ پر ایک جھٹکا لگنا۔

یہ بات کہاں ظہور پذیر ہوتی ہے، جنگلوں میں، غاروں میں، گپھاؤں میں، پہاڑوں میں، تاریکی میں، سمندر کے کنارے، دریا کے دل میں، لوگوں کی بھیڑ میں، ہنگاموں میں، زندگیوں کے درمیان یا غم و خوشی کی آوازوں کی لپیٹ میں۔

ایسا ہی ایک لمحہ آن پڑا ہے جو خوف کے تمام بھاری بھرکم لمحوں سے زیادہ تگڑا ہے۔ پیشاب گھر کے سامنے اس کی گاڑی نہ جانے کتنوں کو کچلتے ہوئے پیشاب کی گندی نالی میں رک جاتی یا پھر پیشاب گھر کی دیوار کو توڑ کر سامنے کے ہوٹل میں گھس جاتی، مگر ایسا نہیں ہوا کہ اس نے ڈر کر سانس پر فتح حاصل کر لی ہے اور پھر یہی حادثہ سینما گھر کے سامنے ہوتے ہوتے بچا کہ ایک حاملہ عورت بھی پیشگی بکنگ کاؤنٹر کے سامنے لگی قطار میں شامل ہے۔ اس نے اپنے جسم کے تمام تناؤ پر قابو رکھا۔ ہاتھوں، آنکھوں اور

پاؤں کی مدد سے جنگ جاری رکھی ۔
وہ کیا بتانا چاہتا ہے، یہ کوئی نہیں جان سکا مگر یہ سچ ہے کہ وہ خون خرابے کا قائل نہیں اور داخلی تپش میں وہ بری طرح جل بھن رہا ہے، مگر جلنے کی بُو اب تک کسی ناک کو نہیں ملی ہے کہ اس نے اپنی ٹیکسی کی ٹنکی میں پٹرول فل رکھا ہے ۔
سب سے بڑی آزمائش کا سامنا تو اسے سیالدہ میں کرنا پڑا ہے، جہاں پوجا کی مارکٹنگ پر روزہ داروں کی سنجیدگی کی چادر چڑھی ہے کہ پانچ بجکر ۴۳ منٹ پر افطار کرنے کی بات ہے ۔
اُسے اپنا سینہ خالی خالی لگنے لگا اور جسم کا سارا زور جیسے اس کی پلکوں پر آکر رُک گیا ۔
چھبی گھر سینما کے سامنے اُسے تمام چیزیں ہچکولے لیتی نظر آئیں ۔
جنا آرنو[1] کے فیشون کے پاس اس کی گاڑی جام میں پھنس گئی ۔
ارتعاش تیز تر ہوتا جارہا ہے ۔ ہاتھ، پاؤں، لب، آنکھ اور انگلیاں، اتنی گرمی میں بھی سرد ہوتی جارہی ہیں ۔ اُس نے ایک بار پھر اپنے سارے اعصاب پر زندگی کی لہر دوڑانے کی کوشش کی کہ اُس کی گاڑی جام سے نکل چکی ہے ۔ سامنے گاڑیاں اور پیچھے گاڑیاں، سامنے ان گنت لوگ اور پیچھے ان گنت لوگ، اغل بغل، ہر طرف انسانوں کے سر اور ایسے میں اگر اس کے اعصاب جواب دے گئے ۔ اس نے دیکھا گاڑیاں جل رہی ہیں اور انسانوں کے سر غائب ہیں ۔ اور راستوں میں خون کا سیلاب ہے ۔ وہ پسینے میں شرابور ہوگیا اور اس بار پھر اپنی ٹیکسی کو سیالدہ اسٹیشن کی بھیڑ سے بچالے گیا ۔ اپنے اعصاب سے وہ جنگ لڑتا رہا کہ وہ خون خرابے کا قائل نہیں ۔ وہ اپنے اعصابی کشمکش سے بچ سکتا ہے، مگر نوپارکنگ کے اصول کو بھی توڑنا نہیں چاہتا ۔ ٹنکی میں پٹرول فل ہے، سامنے آدمیوں کا جنگل ہے اور گاڑی ٹریفک کی اسپیڈ پر ہے ۔ ایسے میں اگر وہ ٹھنڈا ہو جائے تو کیا ہوگا ۔
ٹانگیں، سر، پیٹ، آنکھیں، دانت، چیخ، ہنگامہ، درد، گھٹن اور پریشانی ــــ کتنے ہی انسان ــــ نہیں وہ خود کو ٹھنڈا نہیں ہونے دے گا گاڑی کو نوپارکنگ ایریا سے

---

[1] معنی انسانوں کا جنگل (ایک بنگالی فلم)

وہ نکال لے جائے گا اور پھر جو ہو سو ہو ——" وہ خود پر کنٹرول کئے رہا۔ گاڑی ٹکراتے ٹکراتے بچتی رہی۔ اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، دل اور دماغ سب کے سب اب پھر اُونگھنے لگے ہیں۔ پھر بھی وہ جاگتے رہنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"چیں، چیں، چیں ——"

اس نے کتّے کے پلّے کو بچا لیا۔ آہستہ آہستہ اس کی گاڑی راجہ بازار کے قریب سرکلر روڈ کے دائیں فٹ پاتھ کے پاس رک گئی۔

گاڑی کی ہیڈ لائٹس جلتی رہیں، انجن اسی طرح جاگتا رہا۔

خورشید ہوٹل کے لوگوں نے ہیڈ لائٹس کی روشنی محسوس کی۔ لوگوں نے انسانوں اور آوازوں کے اس جنگل میں ٹیکسی کے انجن کی اس آواز کو عجیب احساس کے ساتھ سُنا۔ ایک۔ دو۔ تین لوگ جمع ہوتے گئے —— منشی ہارون نے اپنا کاونٹر چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ اب تک اسٹرنگ پر ہیں۔ اس کا سر ایک طرف جھکا ہوا ہے۔ لوگوں کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے ہیں۔ قریب ہی ڈاکٹر عمر کا چیمبر ہے۔ پولیس آچکی ہے۔ ڈاکٹر نے اس کی نبض پر سے انگلیاں ہٹا لیں —— نبض ڈوب چکی ہے۔

پولیس، سوچنے والی آنکھیں اور ڈاکٹر سرکلر روڈ کی شاہی لمبی سڑک کو تک رہے ہیں —— یہاں سے وہاں تک گاڑیاں آرہی ہیں اور جا رہی ہیں مگر خاموشی ہے۔

کیا کچھ ہو جاتا —— مگر سرد ہوتے ہوئے بھی اس نے گرم رہ کر بغیر خون بہائے جنگ جیت لی ہے مگر پتہ نہیں اندر کی کون سی جنگ سے وہ شکست کھا گیا ہے ——!

●● ———————

ترتیب بے ترتیب

جب سناٹے کی ہر روایت ختم ہوگئی اور لوگوں کی سمجھ میں ساری بات آگئی اور سڑک معمول کے مطابق پھر جاگ پڑی تو میں نے اپنے کاسۂ سر کو اپنی دونوں ہتھیلیوں میں تھام لیا اور پھر اپنے دماغ کو نوچنے لگا۔

یہ عمل کئی منٹوں تک جاری رہا اور جب میرا کاسۂ سر بالکل خالی ہوگیا تو میں نے اپنی آنکھیں موندلیں اور اپنے وجود کے آس پاس ٹکڑوں میں بٹے دماغ کو دیکھا جس کی ہر سوچ بے بس تھی۔ میں مسکراتا رہا اور سوچنے کی کوشش کرتا رہا۔ کیا سوچ کا لامتناہی غیر مربوط فعل ان پلپلے دماغوں میں مقید رہتا ہے ــ ؟ ابھی میں مسکرانے کے عمل سے دوچار ہی تھا کہ کسی نے قریب ہی ایک سسکی لی ــ سسکی میں نسوانیت تھی اور ایک ایسا درد تھا جو دل کے ٹوٹنے، چاہت کے لٹنے اور پاک معصومیت سے پیدا ہوتا ہے۔ میں نے سسکی کا راز جاننے کے لیے سوچنے کی کوشش کی مگر دماغ تو ٹکڑوں میں بٹا سڑنے کے عمل سے قریب تر آگیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک ٹکڑے کو اپنی انگلیوں میں سنبھال لیا اور اپنے کاسۂ سر میں ڈال لیا۔ مجھے ایسا کرنے میں مشکل سے کئی سکنڈ صرف ہوئے اور تب تصویر صاف

ہوگئی وہ تو مرحوم انور کی بیوہ تھی جو کمال سے یہ کہنے آئی تھی کہ اس کے مرحوم شوہر کی پہلی نشانی نے اوّل جماعت میں اوّل پوزیشن حاصل کی ہے ۔ میرا دماغ جسے میں نے اپنی انگلیوں کے سہارے کاسۂ سر میں مقید کیا تھا، بہت زوروں سے تڑپنے لگا اور تب ہی میں نے اس کی تڑپ کو سہارا دینے کے لئے دوسرے ٹکڑوں کو یکے بعد دیگرے جمانا شروع کیا۔

پچھلی برسات میں مہاتما گاندھی روڈ جیسا چالو راستہ، تارکول کی کمی سے اتنا اُدبڑ کھابڑ اور گڈھوں سے بھر گیا تھا کہ ڈرائیور ہر لمحہ اپنی زندگی کو روتے تھے ۔

مگر مرحوم انور جو ڈرائیور نہ تھا، مسافر تھا اور جو اپنی زندگی کو خدا کا تحفہ سمجھتا تھا اور اپنے فرائض میں بہت نیک نفس اور سچّا تھا، دو بسوں کے درمیان پس گیا، باہر سے وہ اسی طرح صحت مند رہا مگر اندر سے وہ بری طرح ٹوٹ گیا ۔

میرا دماغ جو سوچوں کو الجھنوں سے بچائے رکھنے کی قوت پیدا کرتا رہتا ہے، ایسا جھلسا ایسا جھلسا کہ شام آتے آتے اس نے اسی مہاتما گاندھی روڈ پر کمال کی گود میں انیل داس کا سر دیکھا ـــــ انیل داس قلی تھا اور وہ ہمارے لئے چائے لاتا تھا ۔ وہ بس سے ٹکرا کر بائیں کروٹ گرا اور جب کمال نے اسے اٹھایا تو اس کی کنپٹی کسی چوبچے کے دہانے کی طرح خون پھینک رہی تھی ۔

گڈھے

زندگی کہاں کہاں، کہاں کہاں سلجھی ۔ اوپر سے نیچے تک، ارتعاشی نعروں سے دُبکی اور اپنے آپ کو بچائے اپنے گھر ے گئی ۔ فرقہ واریت کا نشانہ بنی اور ہر ازم سے ناپاک اور پاک ہو کر لڑکھڑائی، گری اور پھر سنبھل گئی مگر گڈھوں میں آکر صرف ایک گڈھے کے لئے اپنے پیچھے خوف، گھبراہٹ اور ایک نئی سوچ کا طویل سلسلہ چھوڑ گئی ۔

فیروز دیکھو سلمٰی کچھ کہہ رہی ہے ۔ کہاں کھو گئے تھے تم ـــــ ؟

گڈھے میں ـــــ ! میں نے بغیر کچھ سوچے کہا

تب ہی سلمٰی نے مجھ سے پہلی بار کہا " ان کی نشانی کو آپ کی تعلیم کیا تہذیب کی اس منزل تک پہنچا سکے گی جہاں گڈھے نہیں ہوتے اور آدمی بے خوف و خطر چلتا ہے ۔ آپ کے بارے

میں کمال بھیا اور بہت سارے بہت کچھ اونچی باتیں کرتے ہیں ـــــ انشاءاللہ آپ کر لیں گے
کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ـــــ
سلمیٰ نے بہت کم کہا مگر بہت کچھ کہا ـــــ میرے دماغ کا ہر ٹکڑا اپنی جگہ ایک خاموش تماشائی
ہے کہ میرے آنسو کا مفہوم وہ تمام جانتے ہیں، تہذیب کو بلندی تک لے جانا کیا ممکن
ہے ـــــ ؟
میں نے اپنی چاروں طرف گڈھوں کی ایک دنیا دیکھی ۔ زمین تو زمین ہر آدمی کے دل میں
ایک گڈھا ہے جس سے خوشبو کبھی کبھار اور بدبو ہر وقت اٹھتی رہتی ہے ۔ بدبو کا Origin
ـــــ ؟ ایک سانس آئی اور میں اس سانس میں لچک کر ٹوٹ گیا ـــ !
اتنے میں میرے بزرگ دوست ایک کالج میں شعبۂ معاشیات کے صدر نے مجھے بازو سے
تھاما اور کہا "ماسٹر موشائے آج اپنا ٹے کی ہو بچے ـــــ اتو چپ چاپ کینو ـــــ ؟"
ایک مسکراہٹ بہت تیزی سے آئی اور سامنے کے گڈھے میں گم ہو گئی، تب ہی میں نے ان سے
پوچھا "آج کل آپ اسکوٹر پر نہیں آتے ـــ ؟"
"نا بابا نا ـــ ! آمار موتون لوگ راستا رائی کھراب اُبستائے کی گاڑی چالاتے پارے
ـــــ ؟"
بوڑھا پروفیسر اپنی گاڑی سے گر کر مرنا نہیں چاہتا ۔ وہ جانتا ہے کہ گڈھے اسے نگل لیں گے،
وہ کب تک بچے گا ۔ ـــ گڈھا اس کے دل میں ہے جہاں سے موت کی بو آتی ہے ۔
میری سوچ پھر بھاگنے کی کوشش کرنے لگی مگر میں نے اسے اپنے ہونٹوں میں بھینچ لیا ۔
میں نے اپنے سگریٹ کو قریب کے گڈھے میں پھینک دیا کہ سامنے سے Unicef کی وہی
گاڑی گذر رہی تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے ایک سرکاری ملازم کو پابندیٔ وقت کی صلیب میں لٹکنے
اور گرنے کے بعد اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لے گئی تھی ۔ امسال کی برسات نے بھی
بہت گل کھلائے تھے ـــ !
آم سستے ہیں
لنگڑا آم دو روپے کیلو ـــ !

فصل بہت اچھی ہوئی ہے — !!

شہر کی سڑکوں میں ۵، ۱۰، ۱۲، ۲۵ اور ۳۰ انچ گہرے اور کافی چوڑے گڈھے اُبھر آئے ہیں۔

گڈھے جہاں برسات میں پانی جمع رہتا ہے — !

ہاں تو سناٹا پھیلنے اور روایت کی ترتیب سے پہلے راجہ بازار ٹرام ڈپو سے کچھ آگے لوگوں کا ایک ضرورت مند ہجوم تھا جو ضرورتوں کو مختلف شکل دینے کے لئے مختلف منزلوں کی طرف بندھے ٹکے ضابطوں کی ادائیگی کے لئے جا رہا تھا۔

ٹرام اور بس

ایک۔ دو۔ تین

اندر اور باہر

ایک دوسرے سے چپکے، سمٹے اور جھولتے اجسام — !

اوپر آسمان میں سورج اور بادل۔

پسینہ پسینہ آدمی — بھاگتے دوڑتے قدم

ایک ہی سمت کو مرکوز آنکھیں — !

پیشانی اور ہتھیلی پر ابھری رگیں۔

بس اور ٹرام کے ہنڈلس — !

ٹرام کا ہنڈل اس نے پکڑ لیا تھا — زمین سے پاؤں اوپر اٹھا بھی نہ تھا کہ ایک گڈھے نے گھسیٹ لیا۔ بایاں ہاتھ ہنڈل سے پھسلا اور دایاں ہاتھ ٹرام کے آہنی پہیے کے نیچے آ گیا — سورج کی گرمی بڑھ گئی۔ پسینہ اور تیزی سے نکلنے لگا۔ لٹکتے جھولتے اجسام کانپے، آواز گھٹ گئی — آواز تیز ہو گئی۔

اور تب ہی آوازوں کے لشکر نے آس پاس کی فضا کو خوف کی چادر میں لپیٹ دیا۔

اور پھر آوازوں کے طوفان میں سناٹا چھا گیا۔

روایت ترتیب پانے لگی — !

سوالات — سناٹا — !

تجسّس — سناٹا — !!

کون — ؟

کہاں — ؟

کس طرح — ؟

سناٹا — سناٹا — آوازیں — ؟!

بگڑے، افسوس زدہ گھبرائے چہرے — ! بے سمت چہ میگوئیاں۔

پُر درد آوازیں — !

"بھیڑ نہ کیجئے —"

"پانی پلائیے —"

"جلدی سے کوئی گاڑی پکڑیئے —"

"ٹیکسی —"

"یہاں تو کوئی بھی ٹیکسی نہیں — ؟

"کوئی بھی خالی گاڑی —!"

گاڑیاں

گاڑیاں

ہجوم — !

"کسی کار پر نظر رکھئے —!"

"قسمت اچھی ہے وہ Unicef کی گاڑی آرہی ہے !"

بے ہوش جسم کو اس کے کٹے ہاتھ کے ساتھ Unicef کی گاڑی میں لٹا دیا گیا — حادثے کی بھیڑ کم ہوتی گئی — ضرورتوں کی بھیڑ باقی رہی۔ اب سبھوں کی نظریں گڈھوں پر ہیں۔ سب کے سب اپنے آپ کو گڈھوں سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

گڈھے، گڈھے مجبوری — !

تہذیب کی بلندی ــــ بیوہ کی خواہش ــــ ایک سوال ـ !

خالی کاسۂ سر ـ تنہا سوچ کا کرب ـ گدھوں سے اٹھتی بو ــــ !

میں کون ہوں ــــ ؟

میری حقیقت ــــ ؟

تہذیب کا معمار ـ ! تہذیب کا المیہ ــــ !!

گدھا یا گدھے سے بھی کم تر کوئی شے ـ !

"پرانی بھیڑ گاڑیوں کے سہارے گدھوں سے دور جا رہی ہے ـ

نئی بھیڑ، نئے چہروں کے ساتھ بڑھ رہی ہے ـ

سناٹے کی روایت کم ہوتی چلی جا رہی ہے ـ

سڑک اب پوری طرح جاگ پڑی ہے ـ

گدھے کا خون پانی ہو گیا ہے ـ

برساتی کیچڑ نے بابوؤں کو خون کی گرمی سے بہت دور ضرورتوں کی صلیب پر چڑھا دیا ہے ـ

خوف، گالیاں، نفرت اور تحریک بسوں کے ٹائروں اور ٹرام کے چکوں میں دب کر ریزہ ریزہ ہو گئی ہے ـ

ریزہ ریزہ آدمی اپنی نسل کو بچائے رکھنے کے لئے ریزہ ریزہ کاغذوں کو فائلوں میں ترتیب دینے جا رہا ہے کہ ہر ترقی کی کہانی ریزہ ریزہ ہو کر اکٹھی ہوتی ہے، فائلوں میں سجتی ہے اور انسانی چہروں میں اس کے نقوش دیکھے جاتے ہیں ـ

اب سب کچھ وہی ہے ـ

وہی بھاگ دوڑ، وہی ہنگامہ خیز سناٹا، وہی بے اطمینان اطمینان، جیسے کچھ نہیں ہوا ـ

جیسے کچھ نہیں ہوگا

بے حسی اور خود غرضی ــــ اپنی اپنی ضرورت ــــ !

پھپاک گدھا ـ تاریکی ــــ دھندلاہٹ

میرے چشمے کے اسکرین کیچڑ آلود ہو گئے ــــ !

●● ــــــــــــــــ

ڈیڈ ہاؤس

آہٹوں پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے اور نہیں بھی چاہتا کہ آہٹیں سچّی بھی ہوتی ہیں اور جھوٹی بھی۔ یوں تو سراب کے پیچھے کتنے ہی دیوانے دوڑتے ہیں مگر وہاں انہیں سیراب ہونے کا موقع نہیں ملتا لیکن ہمت والے مایوس نہیں ہوتے کہ زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔ میں مسلسل چل رہا تھا کہ میرے مسلسل چلتے رہنے میں میری زندگی کی شکست نہ تھی بلکہ اس کی سربلندی تھی کہ میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں اور نہ سُرخ و سبز کی بات کرتا ہوں کہ سُرخ اور سبز دونوں جھوٹ ہیں اور سچ تو یہی ہے کہ آج درخت پھلوں سے مہک رہا ہے اور کل وہ اتنا ٹُنڈ منڈ ہو جائے گا کہ جرواہے اس کے سائے کو ترسیں گے مگر جرواہے سایہ تلاش کر ہی لیں گے اور انہیں دھوپ کی شدت سے نجات بھی مل جائے گی کہ وہ رو کر وقت برباد کرنے کے قائل نہیں بلکہ وہ تلاش کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

ہاں تو میں مسلسل چل رہا تھا کہ مجھے کل ایک گِدھ نے بتایا تھا کہ بغیر خون بہائے کوئی بات نہیں بنتی اور جب خون بہتا ہے تو زندگی رنگ پر آتی ہے اور سبز پودے اُگتے ہیں اور مزدور کو اپنے کھیت کی ہری ہری بالیوں اور دھان کے خوشوں میں اپنے خون کی خوشبو ملتی ہے اور

پھر اسے اس بات کا شدید احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنی جائداد کو کتنی سچائی کے ساتھ لوگوں میں تقسیم کرے۔

ہاں تو یہ بات سچ بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹ بھی مگر میں نہ تو اسے سچ کہوں گا اور نہ جھوٹ کہ مجھے کہنے کا اسی وقت حق حاصل ہوگا جب میں اپنی تلاش مکمل کر لوں گا۔!

ہاں تو چلتے چلتے میں نے سوچا ایک سگریٹ پی لوں، دو پان کھا لوں۔ میں نے ہرا جڑی، آباد، بڑی اور چھوٹی دکانوں میں جھانکا ہر چیز کی قیمت مقرر تھی، اس سے ایک پیسہ کم نہ زیادہ پان کی پڑیا کھولی کہ سبز کو سرخ بنانا تھا۔ پان کی گلوری جس کاغذ میں لپٹی تھی اس میں کسی فرد کا نام نہ تھا بلکہ چینی، چاول، میدہ، سوجی اور گیہوں کے کالم بنے تھے اور ہر کالم کے بغل میں حاضر، غائب، غائب حاضر لکھا تھا۔ سچ سچ ہے اور وہ جھوٹ نہیں ہو سکتا کہ ملمع ساز پیتل کو سونا نہیں بنا سکتا۔!

قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ بس مسافروں سے لدی گذر گئی۔ سڑک کے کنارے ایک اونچی جگہ پر کئی بوڑھے بیٹھے تھے۔ میری آنکھیں دھول سے بھر گئیں مگر بوڑھوں کی آنکھوں میں دھول کہیں نہیں جمی۔ وہ مسکرائے اور ان میں سے ایک نے کہا ہمارا دیش اُنتی کر رہا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں کی دھول کو اپنے آنسوؤں میں رگڑ دیا اور تب ہی بوڑھوں کی مضبوط آنکھوں کے اسباب میرے دل میں ایک کے بعد ایک جمنے لگے۔

میں آگے بڑھتا گیا۔ لمحہ تو ابھی جوان ہو رہا تھا۔ دیکھئے کون سا رنگ اختیار کرے۔ مگر جوان ہوتے ہوئے لمحوں کے درمیان کوئی چیز بیچوں بیچ چٹ سے ٹوٹ گئی۔ ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے۔

"تم نے اس دن مجھ سے کیوں کہا تھا کہ تم مجھ سے پیار کرتی ہو اور میرے بغیر تمہارا جیون سونا سونا رہے گا اور اس میں زندگی کی روشنی کبھی نہیں آئے گی۔"

اندھیری سڑک پر خون کے دھبے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کی کمر بری طرح کچل گئی تھی۔ وہ بے ہوش تھا۔ اس نے بائبل کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تھا۔ اسے گرجا جانا تھا لیکن بھیڑ کی وجہ سے وہ گرجا گھر کے قریب اتر نہ سکا اور پھر گرجا گھر سے بہت قریب

اس کا جسم دو حصّوں میں تقسیم ہوتے ہوتے رہ گیا ۔

"میری پریشانیاں بڑھتی جا رہی ہیں ۔ میرے ہم مذہب لوگوں نے بہت دکھ دیئے ہیں ۔
اب گر جا جا کر دیکھوں گا، وہاں مجھے کیا ملتا ہے ___"

میری زندگی نے تو ان گنت لوگوں کے دُکھوں کو اپنے اندر جذب کیا تھا، پھر یہ سفید ہالہ
سیاہ کیوں ہوا جا رہا ہے ۔ میرے دل کی خوشی کم ہوتی کیوں جا رہی ہے ___ ؟"

اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں اس کا ٹوٹا جسم اکسیجن کے سہارے زندہ ہے ۔ تلاشی
لی جا رہی ہے ۔

ان گنت لوگوں کے پتے ہیں مگر ایک شخص کے خطوط بہت زیادہ تعداد میں ہیں ۔

"انہیں ٹیلی گرام کر دیا جائے ___ ! ؟"

"کب وہ لمحہ آئے گا جب مجھے ایک نوکری ملے گی، کب وہ لمحہ آئے گا جب میں کسی کی کالی آنکھوں
میں جھانک کر اپنی تمام کلفتوں کو بھول جاؤں گا ___ کب __ ؟ ؟"

"سگریٹ کے دھوؤں کے درمیان اس کا جسم اکسیجن کے سہارے جاگ رہا ہے ___ سگریٹ
کے کشوں کے درمیان ٹیلی گرام کے کی بورڈ پر انگلیاں لاپرواہی سے حرکت کرتی رہیں ۔

اُس کے استاد جب دو دنوں کا سفر طے کر کے اسپتال پہنچے ۔

اکسیجن بچا لیا گیا

فضا میں ایک شخص کے جسم سے پھیلتا کاربن ڈائی اکسائیڈ گیس کم ہو گیا ۔

چاول

گیہوں

چینی

اناج

بچ گئے

جگہ بڑھ گئی

اس کی لاش ڈیڈ ہاؤس میں کب کی رکھی جا چکی تھی ۔

وہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ وہ غبارہ کی طرح پھول گیا تھا۔
تب ہی اس کے استاد کو اس کی وہ نظم یاد آگئی جو وہ اکثر پڑھا کرتا تھا۔

"تم اگر سوچتے ہو
ٹھیک ہے سوچو شاعر؟
یہ جو دیوار ہے ٹیڑھی کیوں ہے؟
اُس عمارت پہ فصیلیں کیوں ہیں؟
یہ جو کمرہ ہے۔ یہاں کیوں ہے گھٹن؟
وہ جو کمرہ دیکھا ــــ!
اس کی دیواروں پہ تھے نقش و نگار
کتنی خوشیاں تھیں وہاں
اور یہاں
کتنا غم ـــــ!
سوچو کہ سوچ ہی سرمایہ ہے۔
سوچ سے درد بھی پیدا ہوگا
اور اسی درد ہی سے جانو گے
کیسے تقسیم کی سرحد کھینچو
کھینچنی ہے تمہیں تقسیم کی سرحد
ورنہ
یہ جو دیوار ہے ٹیڑھی اس جا
جو گری تو
اسی دیوار کے نیچے کل پھر
تمہاری لاش کا چہرہ بھی نہ
پہچان سکے گا کوئی ـــــ!

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں ـــ سامنے عجیب منظر تھا۔
ڈیڈ ہاؤس
کوڑوں کا ڈھیر
مُردہ بلیاں
مُردہ کتے
دھوپ میں کتنی تپش ہے، دھول سے چہرہ اٹ گیا۔ ہوا نے بالوں کی ترتیب بگاڑ دی۔ ہے!!
تلے اوپر، اوپر تلے مُردہ اجسام بے ترتیبی سے پڑے ہوئے۔
عورت، مَرد، بچے ـــ!
تعفن ایسا کہ آنکھیں مُندی جا رہی تھیں۔ منظر ایسا کہ روح پگھل کر بہی جا رہی تھی۔
لاشوں کے اوپر، لاشوں کے نیچے، اجسام کے ہر حصے میں چوہے دوڑ رہے تھے، اس کا ڈھول سا جسم بہت مشکلوں سے اس نے ڈھیر ساری لاشوں کے درمیان سے آہستہ آہستہ نکالا۔
ایک لاش اس کے جسم کے کھنچنے سے بھیڑ سے نکل پڑی۔ ایک حاملہ عورت کی لاش تھی۔ بچہ جو اس کی زندگی میں زہر پھیلا گیا تھا، ابھی خود زہر کی لپیٹ میں آکر ماں کے پیٹ سے نکل رہا تھا۔ گلے ہوئے پیٹ سے سڑا گلا بچہ، بہت ہی اچنبھے سے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔
مردہ لاش کے کئی فوٹو لئے گئے ـــ!
آہوں پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔
پاگل ہوائیں بہہ رہی ہیں۔
کیونکہ انہیں بہنا ہے۔
مگر کیوں بہنا ہے ـــ؟
اس لئے کہ ان گنت معصوم بچوں کو آم چاہئے!
آم کے درخت اونچے ہیں اور ان کی شاخوں تک ان کے ہاتھ جا نہیں سکتے۔
آم کچے ہیں ـــ؟

آم کچے ہوں یا پکے ــــ آم، آم ہی ہیں ۔

پاگل ہوائیں بہہ رہی ہیں

کیونکہ انہیں بہنا ہے ــــ ؟

اس لئے کہ سڑکوں پر کھمبوں کے سہارے لٹکے تھکے وائر ٹوٹ جائیں

اور پھر

اندھیرا ہو جائے اور آدمی خود کلامی میں اسیر ہو جائے

مگر کیوں ــــ ؟

اس لئے کہ

خود کلامی کا سسکتا پندار

نطق سے لفظ رسا مانگے ہے

موٹے موٹے چوہے دوڑ رہے ہیں ۔

بچے آموں کو ترس رہے ہیں ۔

سڑا گلا بچہ ماں کے پیٹ سے گرا حیران و پریشان ہے ۔ !

آہٹ

یقین ــــ !

آہٹ

بے یقینی ــــ !

آہٹ

ایک سوال ــــ ؟ !

●● ــــــــــــــــ

---

۵ وحید عرشی

پہچان

میری ہنسی اور میرے آنسو کے درمیان کتنا فاصلہ ہے یہ میں نہیں جانتا اور نہ جاننے کا خواہش مند ہوں مگر یہ سچ ہے کہ جب موذّن فجر کی اذان دے رہا تھا تو میں چیختا چلّاتا دائی کے ہاتھوں میں گرا تھا ۔

اور پھر
اسی دن سے میری عمر کی برف پگھلنے لگی تھی، میں بوند بوند فنا کی طرف بڑھ رہا تھا مگر میں کبھی نہیں رویا اور نہ کبھی غمزدہ ہوا ۔

میری جوانی درد، گھٹن، استحصال، ہنگامے اور افراتفری میں پروان چڑھی، آنسو کبھی نہیں نکلا ۔ ہنسی اور تبسم میری محنت کے ساتھ ساتھ رہے ۔ میرے دوست وہ بانکے، سرپھرے، متوالے اور بھرپور محبت کرنے والے نوجوان تھے جن کی صرف ایک ہی دُھن تھی۔ آس پاس اغل بغل، اڑوس پڑوس اور اپنی مٹی میں بسنے والوں کو جبر، ظلم، استحصال اور غلامی سے نجات دلانی ہے ۔ ہماری خواہش، ہمارے جذبوں اور ہماری اڑان کو ہزار کوشش کے باوجود ظلم کرنے والے اور استحصال کرنے والے اپنی گرفت میں نہ لے سکے ۔ ہماری

مسکراہٹوں کو جن میں مونا لیزا کی ساری کیفیت تھی چھین نہ سکے اور پھر ایک دن ایسا آیا جب ہمارے صادق جذبوں نے ان کے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا۔

آج جب میرے پاس زندگی کے بہت کم بوند بچ گئے ہیں' فنا کے میں اتنا قریب آگیا ہوں کہ کبھی کسی وقت بھی میرے جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا جا سکتا ہے۔ میں ہنسی اور تبسم سے دور آنسو اور غم کو گھونٹ گھونٹ پی رہا ہوں ۔!

آج اتنے دنوں بعد یہ آنسو اور یہ غم میری زندگی میں کہاں سے گھس آئے۔

میں تو کبھی نہیں رویا' اس وقت بھی نہیں رویا جب میرے پاؤں میں چھوگویاں لگیں اور میری گردن پر وار کیا گیا۔ میرے دو عزیز دوست میرے سامنے خون کی قے کرتے کرتے مر گئے، میں آج عمر کی اس سرحد پر پہنچ کر رو رہا ہوں جہاں جینے کی زندہ رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

ہاں میں رو رہا ہوں کہ مجھ پر سماجی' مذہبی اور سیاسی استحصال کرنے کا الزام لگایا گیا ہے' ہاں میں رو رہا ہوں کہ آج مجھ سے سوالات کئے جائیں گے۔

میں کون ہوں — ؟

میرا کیا کردار ہے — ؟

میں کیا چاہتا ہوں ؟

آج میں پہلی بار رو رہا ہوں۔ کیا واقعی سب جھوٹ ہے۔ نہیں سب کچھ جھوٹ نہیں ہو سکتا جس طرح سب کچھ سچ نہیں ہو سکتا۔

لیکن میرے سچ پر یہ جھوٹ کی چادر کس نے ڈھانپ دی۔ ؟ آخر میرا تنہا سچ لوگوں کو کیوں چبھنے لگا ؟

سچ تو آج سے ایک ماہ پہلے کا وہ اعلان تھا۔ جو لوگ سیاسی طور سے آزمائشوں ابتلاؤں اور دشواریوں کا شکار رہے تھے انہیں اعزاز و انعام سے نوازا جائے گا۔

میں آج یہ بتانے جاؤں گا کہ میں کون ہوں ؟ میں ہی وہ ہوں جس نے یہ کیا تھا' وہ کیا تھا' اس طرح کیا تھا ؟

نہیں یہ غلط ہے ۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔ !

اور پھر ایسی حالت میں جب کہ معاوضہ پانے والے' عزت و احترام سے سرفراز ہونے والے کئی لوگوں کے خلاف دوبارہ تحقیقات شروع کی گئی ہے کہ ان کا سارا بیان سراسر جھوٹ پر مبنی تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی نیک کام کیا ہی نہیں بلکہ انہوں نے سماج' مذہب' سیاست اور عام زندگی کو ہمیشہ زنگ آلود کرنے کی کوشش کی تھی ۔ وہ لوگ تو خود استحصالی تھے!

ہاں کانٹے بھی گلاب کے ہمراہ نکل پڑتے ہیں' گل دانوں میں سج جاتے ہیں ۔

عام معافی کے دن لوگوں کا ایک ہجوم پھول' مالاؤں اور نعروں سے سجا سجایا جیل کے گیٹ پر کھڑا تھا ۔

یکے بعد دیگرے سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا ۔

عام معافی ــــ جیل کو خالی کر دیا گیا ۔

ہجوم نے کچھ کو پہچانا ــــ کچھ کو نہیں پہچانا ۔

ہار' پھول اور مالائیں گلے میں سجتی چلی گئیں ۔

سیاست' سماج' مذہب' ریپ' قتل' غارت گری' خون اور دھوکہ سب خلط ملط ہو گیا ۔

پہچان

اندھیرا

جس نے جو کہا ۔ سب سچ ہو گیا ۔ جس نے جو سنا سب کو سچ مانا' مگر یہ سچ ہے کہ سب سچ نہیں اور سب جھوٹ بھی نہیں ۔ !

" ہاں میں ہی وہ شخص ہوں' جس نے فلاں سال ریل کی پٹریاں اکھاڑی تھیں '

.... ؟

" ہاں اس وقت میں جوان تھا ۔ بہت جوان جو صرف ایک ہی بات جانتا تھا' مٹی کو نجاست سے پاک کرنا ہے ــ اب غلامی نہیں سہی جا سکتی ! "

" ہاں میرے ساتھ اور پانچ جوان تھے ــ ! "

.... ؟

"ہاں ایک سکھ نوجوان بھی تھا — !"

"ہاں یہ فوٹو میرا ہے، میری جوانی کا اور یہ فوٹو میرے ان سرپھرے متوالوں کا — ہاں یہی ہے وہ سکھ نوجوان جو مجھ سے عمر میں بہت چھوٹا تھا اور میں کبھی کبھی اس کی ذہین باتوں سے متاثر ہو کر اس کے بوسے لے لیا کرتا تھا — !"

"واقعی — "

وہ سکھ نوجوان تو آپ ہی جیسا تھا۔ یقیناً وہ آپ ہی ہیں مگر آج تو آپ مجھ سے سوال کر رہے ہیں۔

"میں کیا چاہتا ہوں ؟ آج میں آپ کا بوسہ کیسے لوں !"

میں نے ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا ہے، بھلے سے سچ کو سچ ثابت کرنے کے لئے میں نے جھوٹ کا سہارا نہیں لیا مگر آج مجھ پر اتنے سارے الزامات کیوں ؟"

.... ؟

"ہاں میں جانتا ہوں، اس نے اس لڑکی کی عصمت دری کی تھی، اسے ہمارے کمرے میں رکھا گیا تھا !"

.... ؟

"اسے اعزاز و انعام سے نوازا گیا ؟ تو پھر آپ مجھ سے سوال کیوں کر رہے ہیں ؟ نہیں آپ مجھ سے ضرور سوال و جواب کیجئے کہ اعزاز و انعام تو آپ نے اسے دیدیا۔ ہم جیسے سارے لوگ تو ہر دور میں غلط تھے، غلط ہیں — "

.... ؟

"میں نہیں چاہتا کہ میری نسل میرے اعزاز و انعام کے سہارے پہچانی جائے — میرا سچ میری نسل کا سچ کیسے بن سکتا ہے — !"

.... ؟

"ہاں میں نسل در نسل چلی آنے والی روایت کا قایل نہیں، روایت اگر یوں ہی چلتی رہتی تو پھر آج تصویر کا رخ کچھ اور ہی ہوتا — "

.... ؟

میرا اصول الگ ہے، میں تحفہ اور تمغہ کا قائل نہیں ۔ تمہارا تنہا سچ روایت پرستی کے اس
دور میں جہاں جھوٹ ہر شعبۂ زندگی کے لئے اشد ضروری ہے ۔ زندہ رہ سکے گا ۔ ؟"
آؤ سر جھکا کر اپنی شکست کا اعتراف کریں ۔
بہت ہی خاموشی اور صبر کے ساتھ ہر جھوٹ کو برداشت کریں کہ اب مدافعت کی طاقت
ہمارے جسموں میں نہیں ۔
ہم نے جو کچھ کیا تھا اس میں کھونے کی بات تھی مگر یہ اُمید بھی تھی کہ ایک وقت وہ آئے گا جب
دوسرے آزاد فضا میں سانس لینے کو ترسیں گے نہیں ۔
ہم نے اپنا کام کر دیا ــــ !

.... ؟

"ہاں ہماری نسل کچھ نہیں جانتی ــ ہم کندھے پر ہاتھ رکھ کر بتانے کے قایل نہیں ــ
ہم روایت شکن ہیں ــ روایت پرست نہیں ــ !"
ہمارا تمغہ ہماری نسل کا تمغہ نہیں ہو سکتا ۔

یہ سچ ہے ۔
اور سچ ہمارے جذبوں کی طرح ہے
اور ہمارے جذبوں کی پہچان ؟
تمغے، معاوضے، انعام و اکرام !
لیکن جو بہت آگے مر کھپ گئے، مار دیئے گئے ــ یہی نار ،
شہید ــ عظیم اور کیا ــ ؟
پہچان ــ انتظار ــ
طویل انتظار ــــ !

●● ــــــــــ

قد آور

ہاں تو پھر کیا کیا جائے ؟
تصویر الٹی لٹکا دی جائے ؟
اور پھر ؟
پھر اس کے نیچے کچھ ایسے سوالات ڈال دیئے جائیں جن کا مفہوم سوچتے سوچتے آدمی تلاش
پر نکل پڑے اور پھر خود کلامی میں اسیر ہو جائے ۔
بات سمجھ میں نہیں آئی، تم کہنا کیا چاہتے ہو — ؟
آدمی تلاش کرتے کرتے خود کلامی میں کیوں اسیر ہو جائے گا ۔
تم نے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن سمجھ نہیں پائے اس لئے، تم نے اخلاقی جرأت
کے ساتھ یہ پوچھ لیا کہ ایسا کیوں — ؟
وہی تو میں کہہ رہا ہوں، آج لوگ یہی جرأت تو نہیں کر پاتے ۔ سوال نہیں کرتے اور پھر
خود کلامی میں اسیر ہو جاتے ہیں ۔
ہاں تو ہم لوگ آج رات تصویر الٹی ٹانگ ہی دیں اور تصویر کے نیچے ایسے سوالات

لکھ دیں جن کا مفہوم واضح نہ ہو ـــــ

دونوں نے ایک ہی کمرہ میں دو مختلف رخ پر دو مختلف ایزل چڑھا دیئے اور پھر تیز روشنی جلالی۔

ایک شمال اور دوسرا جنوب کی طرف منہ کئے کینوس پر کچھ کرتا رہا۔ دونوں کے دونوں اپنے اپنے کام میں اس طرح جٹ گئے کہ پھر دونوں کے درمیان کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے بیت گئے، یکایک بہت نزدیک شمال کی طرف سے اور بہت نزدیک جنوب کی طرف سے بچوں کا شور ابھرا اور تب ہی وہ اپنے اپنے کام سے الگ ہوئے، ہر طرف اندھیرا تھا۔

ایزل، برش، رنگ اور خود وہ دونوں ـــــ اندھیرا اور سیاہی ـــــ بے مفہوم کی سیاہ تصویر بنے تھے۔ دونوں کے دونوں خاموش رہے اور پھر ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا ـــــ اور پھر دونوں یکے بعد دیگرے سڑک پر آگئے۔ دکانوں میں موم بتیاں اور پٹرومکس کی روشنی تھی ـــــ

"ایک گھنٹے سے روشنی غائب ہے ـــــ" ایک آواز ان کی سماعت کو وقت کا احساس دے گئی مگر وہ لوگ اس آواز کی سچائی سے چونکے نہیں بلکہ ایک دانتوں سے ناخن کترنے لگا اور دوسرا اپنی انگلیاں چٹخانے لگا۔ اسی درمیان بچوں کا پھر شور ابھرا، سڑک کی روشنی آگئی تھی۔ دونوں اب تک خاموش تھے۔

دونوں نے اپنے اپنے کینوس پر رنگ و روغن سے کیا کیا گل کھلائے تھے، کیا کیا نقش ابھارے تھے شاید وہ خود بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کی خاموشی خود کلامی کی اسیر ہوگئی تھی، اتنے میں پھر بچوں کا شور ابھرا۔ گھروں میں روشنی آگئی تھی۔ یہ دونوں اسی طرح خاموش خاموش ہوٹل کی میز تک رہے تھے کہ یکایک ان میں سے ایک نے کہا "چلو چلتے ہیں ـــــ"

دونوں دکان سے سڑک پر آگئے، خاموش قدموں کے ساتھ وہ اپنے اسٹوڈیو نما کمرہ میں داخل ہوئے اور پھر تیز روشنی میں نہاتے ہوئے اپنے اپنے ایزل کو تکنے لگے۔

بہت دیر، بہت رات گئے تک وہ لوگ رنگ اور برش سے کینوس پر نقوش ابھارتے رہے۔
یکایک پھر بہت رات میں روشنی چلی گئی۔ بچوں کا کوئی شور نہیں ابھرا، بجلی زوروں پر چمک رہی تھی۔ سیاہ آسمان سے روشنی کا کوڑا لہراتا اور لوگ سہم سہم جاتے۔ بارش سوچی سمجھی اسکیم کے تحت برستی رہی۔ صبح بڑی بھیانک تھی۔ دونوں اپنے اپنے پلنگ پر چپ چاپ بیٹھے تھے۔ پانی ان کے کمرہ میں داخل ہو گیا تھا۔
بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ باہر سڑک پر انسانی آوازیں بارش سے بھیگ بھیگ کر بوجھل ہوتی جارہی تھیں۔ بچوں کی آوازوں کا دور دور تک کوئی نغمہ نہ تھا۔
نوحہ کرتی ہوئی بارشی ہواؤں نے بچوں کے نغموں کو ان کے حلق میں مقید کر دیا تھا۔ یکایک ایک نے دوسرے سے کہا۔ "یہ کیا ہو گیا —" اس کی نگاہیں کمرہ کی چھت سے ٹکرائیں۔ شاید وہ اپنی نگاہوں کو آسمان سے ٹکرانا چاہتا تھا۔
دوسرا اپنے پلنگ سے اٹھا اور گھٹنا گھٹنا ڈوبا ہوا کھڑکی تک آیا — سامنے شمال کی طرف مڑتے ہوئے راستے پر جو ہوٹل تھا وہاں لوگ کمر کمر پانی میں ڈوبے بھیگ رہے تھے۔
وہ اسی طرح کھڑکی میں کھڑا رہا — بارش اسی طرح برستی رہی — بہت دیر بعد اسے اس آواز کا احساس ہوا جو کئی بچوں کی تھی اور جس میں درد، خوف، گھٹن کا عکس تھا تو وہ پلٹ کر جنوبی کھڑکی کی طرف لپکا مگر پہلے نے اسے پکڑ لیا۔
"کہاں جا رہے ہو —؟
"وہ مکان، اس کی دیواریں —؟"
اس نے بہت درد سے کراہتے ہوئے کہا۔
"تو ہم کیا کریں — ہم کیا کر سکتے ہیں — ہم بھی تو کمر تک پانی میں ڈوبے ہیں —"
پہلے نے دوسرے کے کینوس پر اپنی نظریں گاڑتے ہوئے کہا "مگر کینوس پر تو پردہ پڑا ہوا تھا"
بارش تیز ہواؤں کے ساتھ اسی طرح برس رہی تھی — شمال کی طرف ہوٹل والے راستے میں پانی سینے سے بھی اوپر آگیا تھا۔ رات بڑی بھیانک تھی۔ آسمان سے کر

زمین تک اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ بجلی پانی میں غائب ہو چکی تھی۔ ان کے پلنگ پانی میں ڈوب چکے تھے۔ ایک بہت بوڑھی، پرانی موم بتی، ایک ٹوٹے پرانے اسٹینڈ پر پہلے نے جلادی سناٹے میں روشنی بھلی بھی لگ رہی تھی اور بری بھی ــــ دونوں کے اسٹینڈ پر اب تک ایزل چڑھے تھے ــــ دونوں کے دونوں اپنے اپنے پلنگ کے سرہانے کی اونچی پٹی پر بیٹھے تھے بارش کی آواز میں ایک مہیب دم گھٹا دینے والا سناٹا تھا۔

بجلی اب بھی چمک رہی تھی ــــ

یکایک بارش کی آواز جیسے غائب ہوگئی ــ ان گنت آوازوں نے جیسے بارش کو زیر کر لیا ہو مگر پہلے نے دوڑ کر جب شمال کی کھڑکی کھول دی تو اسے یہ ایک عجیب دھوکا لگا۔ پچھم کی طرف جو اسکول کی عمارت تھی، وہاں سے بچوں، عورتوں اور مردوں کا شور ابھر رہا تھا، شاید ریلیف سے کھانا آیا تھا تب ہی پہلے نے طاق پر سے پلاسٹک کا ڈبا اٹھایا اس میں ایک ہی بسکٹ تھی۔

"تمہیں بھوک لگی ہے ــــ ؟ دوسرے نے پوچھا ــ

"نہیں ــــ" پہلے نے جواب دیا اور پھر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا

شور ڈوب رہا تھا اور ابھر رہا تھا، بارش اسی طرح ہو رہی تھی ــ آسمان کے ایک کنارے سے تا حدِ نگاہ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کھڑکی کے سامنے شمال کی طرف مڑتا راستہ اندھیرے میں کھو گیا تھا۔

یکایک وہ گھبرا کر پلٹا ــ موم بتی بجھ گئی تھی ــ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ دوسرا شخص اور کمرہ کی ساری چیزیں اندھیرے میں ڈوب چکی تھیں۔

"کہاں ہو ــــ ؟" دوسرے کی آواز ابھری اور تب ہی اسے یہ احساس ہوا کہ وہ زندہ ہے اور گھبراہٹ روشنی کے غائب ہونے کا ردِ عمل تھی ــ

"کیا بجا ہے ــــ ؟"

"پتہ نہیں ــــ !"

"تمہاری گھڑی تو ریڈیم ڈائیل کی ہے ــــ ؟"

"ریڈیم پژمردہ ہوگئی ہے ــــ!"

"اُف ــــ!"

آج کی صبح کل سے بھی زیادہ بھیانک تھی۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ سامنے سڑک پر کندھوں تک ڈوبے نوجوان ٹھیلے گاڑیوں میں عورتوں اور بچوں کو بٹھائے پچھم کی طرف چلے جا رہے تھے۔ ایک ٹھیلے میں ایک عورت تھی، دو نوجوان اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے، وہ بار بار ان سے خود کو چھڑا کر پانی میں کودنا چاہتی تھی۔ اس کی نگاہیں پانی پر مرکوز تھیں۔

یکایک پہلے شخص نے دروازہ کھول دیا اور بے تحاشا اس ٹھیلے کی طرف بڑھنے لگا ــــ دوسرا اسی طرح پلنگ کے سرہانے کی پٹی پر آدھا ڈوبا چلتا رہا ــــ "کہاں جاتے ہو کہ میں تنہا نہیں رہ سکتا ــــ؟" اور اگر جاتے ہو تو میرے لئے پانی لانا ــــ"

پہلا کندھا کندھا ڈوبا آگے بڑھتا رہا ــــ بہت دیر بعد پہلا اسی طرح پانی میں کندھا کندھا ڈوبتا واپس آیا۔ وہ اپنے ساتھ پولی تھن کے بیگ میں پانی لایا تھا۔

"تم کیوں بے تحاشہ بھاگے تھے ــــ؟ کیا پانی لانے ــــ؟" دوسرے نے پوچھا

"نہیں ــــ!" پہلے نے جواب دیا، "پھر کیوں ــــ؟"

"اس عورت کے لئے جو چار مضبوط ہاتھوں کے شکنجے سے آزاد ہو کر پانی میں ڈوبنا اور اپنے دو ماہ کے بچے کو دودھ پلانا چاہتی تھی ــــ؟" پہلے کے ہونٹوں پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔

"تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی ــــ؟" دوسرے نے کہا

کل شام جب پانی اس عورت کے کمرہ میں گھٹنے تک آگیا اور اس مکان کے رہنے والے سب ہی چلے گئے تو اس نے بھی اپنے شوہر کی راہ تکنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے چھ سال دو سال اور دو ماہ کے تینوں بیٹوں کو لے کر گھر سے نکل پڑی ــــ شام تاریک ہوتی جا رہی تھی، وہ چھوٹے کو داہنے بازو پر سنبھالے تھی منجھلے کو بائیں بازو پر اور بڑا اس کی ساڑی کا آنچل تھامے تھا۔ یکایک بڑے کو ٹھوکر لگی وہ ماں کہہ کر ڈوبنے لگا، اس نے

پلٹ کر بڑے کو تھامنا چاہا، منجھلا پھسل کر پانی میں گر گیا ــــ شام رات میں ضم ہو رہی تھی ــ

"میرا بابو" وہ چلائی اور چھوٹا بھی اندھیرے میں گم ہو گیا ــ " پہلا اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا ــ

بہت دیر تک دونوں گم سم بیٹھے رہے اور جب کوّے چیخنے لگے تو دونوں نے دروازے سے دیکھا بارش رک گئی تھی ــ آسمان پر سورج چمک رہا تھا۔

تب ہی پہلے نے کہا "دو دن اور دو رات ہم نے کیا کیا، خود کلامی میں اسیر رہے، بے معنی سوالات ذہن و دل پر سجاتے رہے اور دروازہ کے بجائے کھڑکی سے جھانکتے رہے۔ مگر دستِ سوال دراز کرنا ہی پڑا ــــ آؤ کم سے کم اس پانی سے اپنی پیاس بجھائیں جسے مجھے ایک ایسے نوجوان نے دیا ہے جسے لوگ جاہل اور آوارہ کہتے ہیں۔ لیکن جو اپنی طرح کے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ برسوں شب سے دستِ سوال دراز کرنے والوں کا دامن بھر رہا ہے۔

"کیوں کیا اب بھی تصویر کو الٹی لگاؤ گے اور ایسے سوالات لکھو گے جن کا مفہوم واضح نہ ہو ــــ ؟"

"یقیناً"

کہ الٹی تصویر ہی محترم اور با معنی ہے اور باقی سب میں مفاہیم کا کال ہے ــ "

دوسرا گھٹنا گھٹنا ڈوبتا اپنے کینوس کے پاس کھڑا ہو گیا ــــ !

●● ــــــــــــــــ

انتظار

تو پھر تم شام کے سارے رنگ اپنے جسم پر مل لو اور کہیں کونے کھدرے میں چھپ جاؤ اور اگر ایسا کرنے میں تمہیں بزدلی کا احساس ہو تو پھر اپنی آنکھیں نکال کر پھینک دو کہ تم کچھ دیکھ ہی نہ سکو اور اگر اس میں بھی تمہیں تکلیف ہو اور احساس کی شدت کم ہو کر بھی ختم نہ ہو تو اپنے کان بھی بند کر لو اور اس میں گرم گرم سیسہ پگھلا کر ڈال لو اور اگر یہ سب تم نہ کرنا چاہو تو سر دھڑ کی بازی لگا دو مگر کچھ کرو کہ تمہاری حرکت ہی سے کچھ ہو گا کہ لوگ صدیوں سے ٹکٹکی باندھے ایک ایسی ہی حرکت کی راہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ جس کا تعلق یا تو پوری سپردگی سے ہو یا پھر پوری سرفروشی سے۔

"تم نے جو کچھ کہا کیا یہ سچ ہے — ؟"

"ہاں سچ ہے — !"

"کتنا سچ ہے — ؟"

"سو فیصد — !"

باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ جنازہ گھر سے نکل رہا ہے۔ آؤ ہم لوگ بھی شریک ہو جائیں۔ جنازہ زیر لب ورد کرتے ہوئے کلموں کی فضا میں کندھوں کے سہارے قبرستان کی

طرف جا رہا ہے ۔ ہجوم جنازہ کے ہمراہ ہے ۔ کندھا بدلا جا رہا ہے ۔ سڑک پر ہجوم ہے ،
آدمیوں کا، گاڑیوں کا اور خواہشوں کا — !
زندگی اور جینے کی آرزو — لوگوں کے کندھے اور اس پر جنازہ — !
قبرستان کا گیٹ گذار کر لوگوں نے جنازے کو قبرستان کی مسجد میں رکھ دیا اور قبر کی کھدائی
کے انتظار میں لوگ اِدھر اُدھر ایک گروپ کی شکل میں بیٹھ گئے — !
"مرحوم نبی بخش کے جنازے کی نماز کھولا مسجد میں ہوتی تو بہتر تھا، مرحوم نے کھولا مسجد کی بہت خدمت
کی ہے —"
وقت کو بچانے کے لئے شاید جنازے کی نماز وہاں نہیں پڑھائی گئی —"
"ہاں چچا آپ ٹھیک کہتے ہیں، وقت بھی شاید اب بہت بدل گیا ہے اور اس میں تیز رفتاری
کے ساتھ سستی آگئی ہے ۔ کچھ باتوں میں تیز رفتاری دکھانا دراصل سستی ہی ہے —" ایک ادھیڑ
شخص نے ایک بوڑھے سے کہا ۔
آج کل وقت نے پتہ نہیں کیا سوچ لیا ہے — ہر چیز کی پہچان الٹ گئی ہے ۔ تیز رفتاری سستی
بن گئی ہے اور سستی پر تیز رفتاری کا لیبل چپک گیا ہے ۔
یہ سچ ہر دور کا سچ رہا ہے کہ تبسم کی حسرت میں آنسو بہائے جاتے ہیں — !
ہاں تم ٹھیک کہتے ہو میاں ! عجیب زمانہ آگیا ہے — مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک بار میرے
ابا کے ایک بہت ہی عزیز دوست نے مجھے پیار کرتے ہوئے ایک بڑا پیسہ یعنی اڈورڈ والا دیا
اور کہا جاؤ مٹھائی کھا لینا ۔ میں خوش خوش ان کی گود سے اتر کر جانے لگا تو دہلیز کے
باہر ابا سے مڈبھیڑ ہو گئی اور ابا نے پوچھا " کہاں جا رہے ہو میاں — ؟"
چچا جان نے یہ پیسہ دیا ہے مٹھائی کھانے کو سو باہر جا رہا ہوں " میں نے اخلاقی جرأت
کے ساتھ کہا :
" اچھا ، دیکھوں لاؤ وہ پیسہ " یہ کہکر ابا نے وہ بڑا پیسہ لے لیا اور کہا جاؤ اپنی اماں کے پاس
اور خود دہلیز کی طرف چلے گئے ۔
جانتے ہو میاں کیا ہوا ، ابا نے اپنے اس عزیز دوست سے بہت ہی غم زدہ آواز میں کہا کہ

کیا انہیں ان کے بیٹے سے دشمنی ہے یا خود ابا سے کہ وہ ان کے بیٹے کو پیسہ دیکر بگڑنے کی راہ کھول رہے ہیں۔

دیکھو میاں، ابا نے کس طرح میری ایک طرح سے بگڑنے والی عادت کو سنبھال لیا مگر آج عجیب و غریب باتیں ہو رہی ہیں۔ زندگی اور وقت کا کسی بھی طرح سمجھوتہ نہیں ہو پا رہا ہے۔ آج تو یہ حالت ہے جسے تم سچ سمجھتے ہو وہ سچ نہیں ہے اور جسے تم جھوٹ سمجھتے ہو وہ جھوٹ نہیں۔ پھر سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا اس کا پتہ کیسے چلے۔ کیا ہم تاریکی میں کھو جائیں اور پھر ایک دوسرے کا چہرہ پڑھیں مگر کیا یہ ممکن ہے۔ دیکھو اسی کو جھوٹ کہتے ہیں۔ کوئی تاریکی میں کسی کو کیا پڑھ سکتا ہے تو پھر ایک قندیل روشن کر لی جائے اور میں تمہیں پڑھوں اور تم مجھے پڑھو اور تب ہی تمہیں معلوم ہوگا میرے چہرے پہ جو مسکراہٹ ہے میری آنکھوں میں جو شوخی ہے اور میری آواز میں جو سختی ہے وہ میری نہیں بلکہ تمہاری ہے۔ اور تم جو چپ چاپ ہو، خوف سے لرزیدہ ہو یہ میری وجہ سے ہے تو پھر اس طرح سوچو کہ میری ہنسی میری نہیں، تمہارا خوف تمہارا نہیں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ سب جھوٹ بھی نہیں یعنی جسے تم سچ سمجھتے ہو وہ سچ نہیں اور جسے تم جھوٹ سمجھتے ہو وہ جھوٹ نہیں ——" اتنا کہہ کر بوڑھا خاموش ہو گیا اور قبر کے لئے کاٹے جانے والے بانس کو دیکھنے لگا۔

"چہرہ دکھایا جا رہا ہے، جن صاحب کو دیکھنا ہے جلدی سے آخری دیدار کر لیں ——" ایک آواز نے لوگوں کے گروپ کو منتشر کر دیا۔

"بوڑھے کی باتیں تم نے سنیں —— تمہیں وہ باتیں سچ لگیں یا جھوٹ ——"

"سو فی صد سچ ——"

"آؤ ہم بھی دیدار کر لیں ——"

"لوگ قبر کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ جنازے کو بانس اور درمے سے چھپایا جا رہا ہے۔ مٹی ڈالنے کا اہم فرض لوگ انجام دے رہے ہیں۔ دو گز زمین اور دو مٹھی مٹی۔! فاتحہ کے بعد دعا بھی ختم ہو گئی — لوگ اب قبرستان سے جا رہے ہیں۔!

"بینک چلتے ہو ——"

کیوں —— ؟"

"ایک چیک کیش کرانا ہے — !"

"بینک میں اتنی بھیڑ کیوں ہے ۔ یہاں سے وہاں تک ہر چہرہ نوعمر اور نوجوان ہی نظر آرہا ہے ۔

یہ کون سا پیچ ہے تم بتا سکتے ہو — !"

"آپنا رسیگنیچر ملیچے نا — ؟"

"ٹھیک ہے چیک لائیے، دوسرا سیگنیچر کر دوں — !"

"نوعمر اور نوجوان لڑکوں کی بھیڑ میں بے چینی بڑھ گئی ہے ۔ آپ لوگوں کو نوکری مل گئی تو کیا آپ لوگ لاٹ صاحب ہو گئے ۔ اتنی دیر سے ہم لائین میں کھڑے ہیں اور آپ لوگ ہیں کہ سستی کا جامہ پہنے آہستہ آہستہ گورنر جنرل کی طرح Entry کر رہے ہیں ۔ ہم لوگ یہاں جھک مارتے رہیں گے ۔ کیا ہم لوگوں کو اور کام نہیں ۔ کیا ہم لوگوں کو بے کار سمجھ رکھا ہے — "

بے چینی اور شور کے طوفان میں جملے ایک پر ایک گرتے رہے ۔

"کیا بات ہے ذرا بڑھ کر پوچھو نا یا کاونٹر پر دیکھ ہی لو — !

بھیڑ سے گذرتا قطار کے درمیان سے نکلتا میں کاؤنٹر پر پہنچا تو پنجوں کے سہارے کھڑے ہو کر یہ دیکھ پایا کہ قبرستان والے بوڑھے کے باپ کا وہ مستحکم پیچ کس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہا ہے ۔

کاونٹر سے بے کار نوجوانوں کو بے کاری بھتہ دیا جا رہا ہے ۔

"کیا دیکھا — "

بیکاری بھتہ، نوجوان اور نوعمر بے کاروں کو — !"

"تم نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے — اس میں پیچ کو تم نے صلیب پر لٹکے دیکھا ہے ؟

ماضی جو میرا اور تمہارا دونوں کا شریر بچپن تھا، کتنا صحیح اور بے لاگ پیچ بولتا تھا —

مگر یہ آج کیا ہو رہا ہے ۔

ہمارا بچپن — !

انقلاب زندہ باد

چودہ سال کے سوشیل سین کا سارجنٹ کے منہ پر گھونسہ — !

مگر

سچ اور جرأت

کنگس فورڈ کی بید اور سوشیل کی ہتھیلی اور اس کا بدن — !!

مگر وہی معصوم سچائی

انگریزی سرکار مردہ باد

" تمہیں یاد ہے وہ شاعر جس نے سمندر جیسی آنکھوں میں اضطراب دیکھا تھا "

" نہیں "

تو سنو

ہاں تو سچ یہی ہے کہ وہ زندگی کے تمام دکھوں کو ہنستے ہنستے جھیل رہی ہے لیکن اس کی پیشانی پر کبھی کسی نے ناگواری کی کوئی لکیر نہیں دیکھی لیکن میں جو اس سے بہت دور ہوں پھر بھی بہت قریب جب جب اسکی سمندر جیسی آنکھوں میں جھانکتا ہوں تو مجھے وہاں سکون نہیں اضطراب نظر آتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اضطراب جو میں اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوں صرف میں ہی دیکھ سکتا ہوں اور کوئی نہیں — دنیا تو یہی کہتی ہے نا کہ وہ پرسکون ہے، خاموش ہے اور عافیت سے ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ اپنا چہرہ سپاٹ، بے تاثر اور پرسکون رکھتی ہے لیکن اس کا دل اُداس اور غم زدہ ہے۔ وہ کسی کی تلاش میں پریشان رہتی ہے۔ میں وعدہ تو نہیں کرتا لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اپنی سچائی سے، اپنی صاف گوئی سے اور اپنے پیارے اس کے دل کا بوجھ جو اسکی آنکھوں میں بے چین اور اداس ہے، دور کر دوں گا۔ یہاں سے وہاں تک ہر جھوٹ کو آگ لگا دوں گا۔ یہ سچ ہے اور اس کی سچائی کو جھوٹ چھو نہیں سکتا اور بس — !

" چلو بینک سے نکلو کہ بے کاری بھتہ لینے والوں کا اضطراب بڑھتا ہی جا رہا ہے —" انہیں بہت سارے کام کرنے ہیں۔ صرف بے کاری بھتہ ہی تو نہیں لینا ہے — "

" چلو ایک بار پھر قبرستان چلیں اور کسی دیدہ ور کی قبر کے سامنے بیٹھ کر فیصلہ کریں کہ آیا ہم اپنی آنکھیں نکال پھینکیں اور کان میں گرم گرم سیسہ پگھلا کر ڈال لیں یا پھر پورے، مکمل، صحیح اور سالم سچ کا انتظار کریں —— !

●● ————

اندھی گلی میں صبح

اللہ کی قسم یہ جھوٹ ہے

یہ الزام ہے

اس نے کذب سے کام لیا ہے۔

میں نے تو ہمیشہ لکم دینکم ولی دین کو اپنایا ہے

خیر چھوڑو، کیوں حجت کرتے ہو۔ بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے کہ پرسوں شب سے تم بھی دیکھ رہے ہو،

میں بھی دیکھ رہا ہوں اور ہماری طرح ہزاروں آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

برداشت، غلامی، ذلت اور تحقیر کی کوئی حد ہوتی ہے یا نہیں۔

آخر کب تک ہم اس طرح ڈر ڈر کر سہم سہم کر جیتے رہیں گے، آخر ہمارا کیا قصور ہے۔

مگر میں تو ....

ہاں تم لکم دینکم ولی دین پر عمل کرتے ہو۔ ہم سب ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔

میں نے مذہب کی بات تو نہیں کی۔ میں نے تو بچاؤ کی بات کی ہے اور ....

وہ دیکھو ہمارا تیسرا ساتھی بھی آگیا ....

"ساتھی "

ہاں میرے پہلے ساتھی تم ہو' دوسرا وہ ہے جو کل شام اُداس' اُداس گمبھیر سا میرے کمرے میں بیٹھا تھا اور تیسرا یہ .... "

" مگر یہ تو بہت خوش نظر آرہے ہیں ــــــ "

" ضرور کوئی اچھی خبر لے کر آرہا ہوگا ــــــ "

" کہو کیا خبر لائے ــــ ؟ "

" آج صبح میں نے اپنے لوگوں کا ایک ہم خیال ڈھونڈھ لیا ہے ۔ خنجر پر اس کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ آج تک کوئی زندہ نہیں بچا .... "

" مگر "

" تم کیا سوچنے لگے ـــ اور یہ اگر مگر کیوں ۔ ہماری اسکیم میں خنجر ہی کا عمل تو زیادہ ہے ورنہ .... "

" ورنہ کیا ـــ ؟ " پہلے ساتھی نے کہا

جھلسو' اپنے ہی کرب میں جھلسو ـــ کبھی بھی اپنے خول سے نکل نہ سکو گے اور اس طرح نسل در نسل کچلے جاؤ گے ـــ !

" مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا' تم لوگ کیا کرنا چاہتے ہو ـــ پہلے نے بہت دھیمی آواز میں کہا ۔

تمہیں کچھ کیوں سمجھ میں نہیں آتا ـــ کیا تم نے کسی ہم مذہب کو خنجر کھاتے نہیں دیکھا ـــ کیا اس کا گھر جلتے نہیں دیکھا ـــ کیا عصمت دری اور لوٹ مار کی تفصیل نہیں سنی ـــ " تیسرے کی پیشانی پر مدوجذر کا سا منظر تھا ۔

تم نے صحیح کہا ـــ سچ کہا ـــ قتل' خون' شہادت' عصمت دری' لوٹ اور ظلم ـــ ساری تفصیل سنی ہے' پڑھی ہے ۔

حافظ ابن کثیر ـــ تاریخ کی مستند کتابیں' ۶۰ - ۶۱ اور ۶۲ ھجری شہادت' عصمت دری اور بے پناہ ظلم ــــــ !

" تم کیا بکتے ہو ـــ کفر کی باتیں کرتے ہو ـــ ۶۰ - ۶۱ اور ۶۲ ھجری کا ذکر کرتے ہو ۔ خاموش ہو جاؤ ورنہ تمہاری زبان کھینچ لوں گا ـــ " تیسرے کی آنکھوں میں عقیدت کا

جاہلی جذبہ تھا۔

"کیوں آپس میں جھگڑتے ہو ـــ اسکیم پر عمل کرنے کے لئے اس طرح جھگڑنے سے کام چلے گا۔ کہو وہ چوتھا ساتھی کب آئے گا ـــ ؟"

تنظیم کار کی آنکھوں میں ایک ایسا درد تھا جس کی پہچان مشکل تھی ـــ

"ہمارا نیا ساتھی یعنی چوتھا ساتھی بس اب آتا ہی ہوگا مگر تمہارا یہ پہلا ساتھی ہماری اس تنظیم کے لئے مصیبت کا باعث بن جائے گا اسے ہماری اسکیم سے اختلاف ہے۔ اسے الگ کر دیا جائے ورنہ ...."

"ورنہ کیا ـــ ؟"

"کیا ناریل، سپاری اور ہرے بانس کے ملک کا قصہ دہرادوگے۔ ؟ کیا حاملہ عورت کے پیٹ پر بوٹ نہیں رکھا گیا۔ کیا آسمانی صحیفے کے مقدس اوراق نہیں جلائے گئے ـــ کیا رحیم کا قتل رحمٰن نے نہیں کیا۔ کیا سلمہ کی عصمت دری سلیم نے نہیں کی ـــ" پہلے کا چہرہ زرد تھا جیسے کہ اس کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

"تنظیم کار اور تیسرا ساتھی خاموش کھڑے رہے، دونوں خلا میں کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ اتنے میں پھر پہلے ساتھی نے تنظیم کار کو مخاطب کیا" اور وہ تمہارا دوسرا ساتھی جو کل شام اُداس اُداس اور گمبھیر سا تھا، وہ کب آئے گا ـــ!

"وہ بھی ابھی آجائے گا ـــ" تنظیم کار کی آنکھوں میں بہت بے چارگی تھی ـــ!

"آخر تم یہ تنظیم کیوں بنا رہے ہو ـــ آخر تم کیا چاہتے ہو ـــ" پہلے کے دل سے سوال اچھل کر اس کی آنکھوں میں آگیا۔

"میں بچاؤ کرنا چاہتا ہوں ـــ اور کچھ بھی نہیں ـــ!" تنظیم کار کی آنکھوں میں خلا تھا۔

"ہاں بچاؤ ـــ لیکن چھری کی نوک کے سہارے، ورنہ ہماری تہذیب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گی اور ہم اپنی پہچان کو ترسیں گے۔" تیسرے کی آواز میں بچکانا پن تھا۔

پہلے ساتھی نے تنظیم کار کو دیکھا۔ تنظیم کار نے تیسرے کو دیکھا اور پھر تینوں کی نظریں اِدھر اُدھر دیوار، دروازے اور چھت سے چمٹ گئیں۔

سناٹا منجمد ہو گیا اور ان کے دل اندر ہی اندر اپنی ہی سوچ کی آگ میں جھلستے رہے۔ یکایک پہلا چونکا، کوئی کنڈی کھٹکھٹا رہا تھا۔ تنظیم کار نے دروازہ کھولا اور چونک کر کہا — تم، کہو، کیسے ہو —؟!"

"یہ میرا وہی ساتھی ہے جس کا ذکر میں نے تم سے کیا تھا —"

تنظیم کار نے پہلے ساتھی سے اپنے دوسرے ساتھی کا تعارف کرایا۔ دوسرا ساتھی واقعی بہت اُداس اور گمبھیر تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی شکن نہ تھی، اس کی پیشانی پر فکر کی کوئی لکیر نہ تھی لیکن وہ اُداس اور گمبھیر تھا۔

تینوں کی نگاہیں اس کی طرف متوجہ تھیں لیکن وہ اسی طرح خاموش اور چپ چاپ تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو —؟ کہو کیا کرنا چاہئے اور کس طرح کرنا چاہئے —"

تنظیم کار نے اپنے دوسرے ساتھی کو کاندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"ان سے کیا پوچھتے ہو — ہمیں وہی کرنا چاہئے جو میں نے تم سے کہا۔ ورنہ جینے کے جو دو چار راستے کھلے ہیں وہ بھی بند ہو جائیں گے —" تیسرے کی کھردری اور بے رنگ آواز ابھری۔

تب ہی دوسرا ساتھی چونکا، اس کی بے شکن پیشانی شکن آلود ہو گئی اور اس کی اُداسی اور خاموشی یکلخت غائب ہو گئی اور اس نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا — "تم نے، تم نے اور تم نے اب تک کیا کیا کھویا ہے —!"

ساعت، ساعت، لمحہ

اداسی اور سناٹا —!

یکایک پھر کنڈی کھٹکھٹائی گئی۔ اس بار پہلے ساتھی نے دروازہ کھولا اور گھبرا کر کتنے ہی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ آنے والے کئی تھے اور سب کے چہروں کے نقوش ہتھیاروں سے بھی زیادہ زہریلے اور بے رحم تھے —!

تیسرا ساتھی خوش ہو کر گنگنانے لگا اور تنظیم کار سے مخاطب ہوا۔

"لو ہمارا وہ ساتھی آ گیا جس کا ہمیں انتظار تھا —" "تو ہم آج شام ہی سے اپنا کام شروع کر دیں —" تیسرے نے بے رحم مسکراہٹ کے ساتھ تنظیم کار سے پوچھا

تنظیم کار نے اپنے دوسرے ساتھی کی طرف دیکھا جو اسی طرح اُداس اور گمبھیر تھا اور جس کی نگاہیں چھت سے پیٹے مکڑی کے جال میں اٹکی تھیں ۔
پہلا ساتھی جو اب تک بت بنا دور دیوار سے ٹکا تھا آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا اور یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا "لکم دینکم ولی دین ۔"
اس بار پھر دوسرا ساتھی چونکا اور اس نے کانپتی آواز میں تنظیم کار سے کہا ۔ "میں نے اپنا بہت کچھ کھو دیا ہے ۔ کھونے کا غم کیا ہوتا ہے یہ کیسے تمہیں بتاؤں ۔ کیوں کسی کی کوئی چیز چھین لینا چاہتے ہو ۔ روک لو اپنا ہاتھ ورنہ تم خود بکھر جاؤ گے ۔" دوسرا ساتھی بھی پہلے ساتھی کی طرح دروازہ کھول کر باہر نکل گیا ۔
"یہ دونوں کے دونوں مفاد پرست تھے، قوم اور ملت سے انہیں کوئی ہمدردی نہیں ۔ فلسفی بنتے ہیں ۔" تیسرے ساتھی نے تنظیم کار کے مصفّا ہوتے ہوئے خون میں پھر زہر ڈال دیا ۔ آج شام ہی سے ہم اپنے کام میں لگ جائیں گے ۔ ہماری اس گلی سے گذرنے والا کوئی بھی غیر زندہ نہیں بچے گا ۔ اندر آنے سے پہلے ہی ہم اس کا خاتمہ کر دیں گے ۔ !
تیسرے نے تنظیم کار کو اپنا آخری فیصلہ سنایا اور ایک کے بعد ایک سب کے سب دروازے سے باہر نکل گئے ۔
تنظیم کار اپنی کرسی میں بیٹھ گیا ۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا ۔
بے رحم چہرے والے لوگ گلی میں اپنی جال بچھا چکے ہوں گے ۔ اضطراب نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ اپنی کرسی کی پشت سے ٹک گیا ۔
یکایک وہ گھبرا کر اٹھا اسے ایسا لگا جیسے اسے کسی نے پکارا ہو ۔ دروازہ کھول کر دیکھا ۔ دور دور کوئی نہ تھا ۔ وہ پلٹ کر اپنی کھڑکی پر آ گیا ۔ اس نے دیکھا اس کا تیسرا ساتھی گلی کے منہ پر کھڑا تھا ۔
شام آہستہ آہستہ اتر رہی تھی ۔ پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف پرواز کر رہے تھے ۔ مغرب کی اذان بس ہونے والی تھی ۔
یکایک اس کے تیسرے ساتھی نے اِدھر اُدھر اشارہ کیا ۔ بے رحم چہرے اِدھر اُدھر سے نکلے ۔

تنظیم کار اپنی کھڑکی سے بالکل چپک گیا۔ پھر اس کے ہونٹ کپکپانے لگے، اس کی آنکھیں حیرت اور سوال سے سکڑنے لگیں ــ اس کی آواز اس کے نرخرے میں پھنسنے لگی۔ وہ اپنی ہتھیلیاں اور اپنا سر کھڑکی اور دیوار پر مارنے لگا۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن سکڑتے ہوئے اعضاد نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ اپنی میز پر الٹ گیا۔ سُرخ روشنائی کی دوات نے اسے سُرخ بنا دیا۔ اس کی پھنسی پھنسی آواز ابھرتی اور ڈوبتی رہی ــ

"یہ غیر نہیں، یہ تو شانتی رنجن ہے ــ نہیں، نہیں اسے مت مارو، اسے مت مارو ــ وہ میرا دوست ہے، میرا محسن ہے، اسے مت مارو ــ!

●●__________
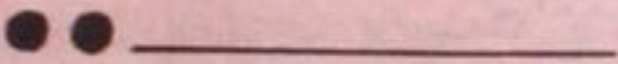
افسانے کے بارے میں

"فکشن یعنی اسٹوری ۔ یعنی افسانے میں کوئی
روداد بیان کی جاتی ہے ۔
لیکن اس بیان پر مربوط ہونے کی شرط لازمی
طور پر عائد نہیں ہوتی ۔
اور یہ بیان غیر واقعی یا اساطیری پر مبنی یا
فرضی بھی ہو سکتا ہے ۔
اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ اس کا لکھنے والا سماج
سدھارک بھی ہو ۔
اور یہ تعریفیں ادبی یا تنقیدی تعریفیں نہیں ہیں
لیکن ادبی اور تنقیدی تعریفوں کی برآمدگی
انہیں سے ہوتی ہے ۔"

شب خون
شمارہ ۳۷

آخری صفحہ

تیسری آنکھ
کمال احمد
کے نام